قبضۂ تقدیر میں دِل ہیں اگر چاہے خدا   پھیر دے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار

"مَیں اپنی جماعت کو رشیا کے علاقہ میں ریت کی مانند دیکھتا ہوں۔" (رؤیا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ)

بخارا (روس) کے ایک مسلمان راہنما نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو ازراہِ محبت و احترام اپنے علاقہ کا روایتی گاؤن اور ٹوپی پیش کی
حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی جواباً انہیں پاکستان کا روایتی جُبّہ تحفتہً دیا۔ دِلی جذبات پُرمسرت چہروں سے خوب عیاں ہیں۔

احمدی نوجوانوں کیلئے

ماھنامہ **خالد** ربوہ

سالنامہ

اکتوبر ۱۹۹۱ء

ایڈیٹر
مبشر احمد ایاز

تم سے وابستہ ہے جہانِ نَو

منظوم کلام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جو ۲۷ جولائی ۱۹۹۱ء بروز ہفتہ جلسہ سالانہ U.K. کے دوسرے اجلاس میں پڑھا گیا

وقت کم ہے۔ بہت ہیں کام۔ چلو
ملگجی ہو رہی ہے شام۔ چلو

عُمر ہو جب تمام ایسا نہ ہو
کام رہ جائیں ناتمام۔ چلو

کہہ رہی ہے خرامِ بادِ صَبا
جب تلک دَم چلے مدام، چلو

منزلیں دے رہی ہیں آوازیں
صُبح محوِ سفر ہو شام چلو

ساتھیو میرے ساتھ ساتھ رہو
قُربتوں کا لئے پَیام۔ چلو

تم اُٹھے ہو تو لاکھ اُجالے اُٹھے
تم چلے ہو تو بَرق گام چلو

کبھی ٹھہرو تو مثلِ اَبرِ بہار
جب برس جائیے فیضِ عام۔ چلو

رات جاگو مہ و نجوم کے ساتھ
دِن کو سُورج سے ہم خرام چلو

ہو تمہی کل کے قافلہ سالار
آج بھی ہو تمہی اِمام، چلو

تم سے وابستہ ہے جہانِ نَو
تمہیں سونپی گئی زِمام۔ چلو

آگے بڑھ کر قدم تو لو۔ دیکھو
عہدِ نَو ہے تمہارے نام۔ چلو

پیشوائی کرو۔ تمہاری طرف
آ رہا ہے نیا نِظام۔ چلو

اے خُوشا۔ دِل بہ یار۔ دَست بکار
ہَر دَر ہَر شاد کام چلو

میرے پیارو خُدا کے پیاروں پر
دائماً بھیجتے سلام۔ چلو

زیر و بَم میں دِلوں کی دھڑکن کے
مَوجزن ہو خُدا کا نام۔ چلو

دِل سے اُٹھے جو نعرۂ تکبیر
ہو ثُریّا سے ہمکلام۔ چلو

غمِ دُنیا کی ہے دَوا غمِ عِشق
دَمِ عیسٰی نہیں ۔ سِوا دَمِ عِشق
بحرِ عالَم میں اِک بپا کر دو
پیار کا غلغلہ ۔ تلاطُمِ عِشق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمدی نوجوانوں کے لئے

اکتوبر 1991ء

جلد 38۔ شمارہ 12

قیمت پرچہ ہذا 12 روپے

ایڈیٹر
مبشر احمد ایاز

پبلشر۔ مبارک احمد خالد
پرنٹر قاضی منیر احمد
مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقام اشاعت دفتر ماہنامہ خالد
دارالصدر جنوبی ربوہ

فہرست مضامین

اداریہ

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً

اور تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

عزیز دوستو

ہم سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا دم بھرتے ہیں۔ ہمارے پیارے آقا سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو عظیم الشان تعلیم دی ہے اس کا مرکزی نقطہ محبت اور باہمی الفت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

کہ تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے اور پھر اس خدائے وحدہ لاشریک نے تمہیں اس میں گرنے سے بچالیا اور تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور تم اس کی نعمت کی بدولت بھائی بھائی بن گئے"۔

لیکن آج جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا باہم دست و گریبان ہیں۔ آج جب خدا اور خدا کے رسول کے نام پر ایک دوسرے پر ہر طرح کا گند اچھالا جاتا ہے۔

آج جب خدا اور خدا کے رسول کے نام پر امت محمدیہ فرقوں اور گروہوں میں بٹ چکی ہے تو کس طرح یہ سب مل کر مسلک اتحاد میں پروئے جائیں گے اور کس طرح مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامیں گے۔ اس سوال کا جواب ہمیں ایک حدیث سے ملتا ہے کہ

آخری زمانے میں جب تشتت اور افتراق کا دور ہوگا اور ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا تو ایسے میں وہ جماعت حق پر ہوگی جو سنت نبوی پر کاربند ہوگی اور جس کے افراد جماعت صحابہ کے نقش قدم پر چل کر جان و مال و آبرو کو خدا کی راہ میں پیش کردیں گے۔ جماعت احمدیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ حق پرست جماعت ہم ہیں اور اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ آسمانی حبل اللہ خلافت نے اس کو اتحاد میں پرو رکھا ہے۔ اس وقت روئے زمین پر کوئی جماعت ایسی نہیں جس کا ایک مطاع امام ہو اور جس کی آواز کے ساتھ اس کے متبعین کی تمام حرکات وابستہ ہوں۔

جماعت احمدیہ جس حقیقی حبل اللہ کے ساتھ منسلک ہے وہ تقاضہ کرتی ہے جہاں افراد جماعت انفرادی طور پر خلافت سے قلبی اور جسمانی رابطہ استوار رکھیں وہاں من حیث الجماعت ایک ہو کر خلافت کے دامن سے وابستہ ہوجائیں اور اطاعت کا ایک ایسا نمونہ ظاہر کریں جس کی نظیر نہ ملتی ہو۔ اور یہ تبھی ممکن ہوسکتا ہے کہ جماعت اپنے پیارے آقا و امام کی ایسی مطیع ہو جائے کہ اس کے تار نفس خلافت کے انفاس قدسیہ سے بندھ جائیں اور جس طرح نبض کی حرکت دل کی حرکت کی پیروی کرتی ہے اس طرح جماعت بھی خلیفہ وقت کی اطاعت میں گم ہوجائے کہ یہی حقیقی اور اصلی راہ تقویٰ اور نیکی کی راہوں کی ہے اور اسی سے غلبہ دین حق مقدر ہے۔

سید مبشر احمد ایاز

ایڈیٹر خالد

(دوسری قسط)

خلق عظیم کی چمکار

غزوات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا ظہور

(مکرم عبدالسمیع خان صاحب)

ایفائے عہد

مدینہ سے بدر کے راستہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو انسانیت کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس واقعہ سے نہ صرف اس بات کی عکاسی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مطہر ہر قسم کی باریک در باریک عہد شکنی اور وعدہ خلافی سے پاک تھا بلکہ آپؐ کی قوت قدسیہ اور انفاس روحانی سے جو پاک تبدیلی پیدا ہوئی اس کی ایک خوبصورت تصویر بھی ہمارے سامنے آتی ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ بدر کے راستہ میں زفران کے مقام پر دشمن کے لشکر جرار کے متعلق ملنے والی رپورٹوں کے متعلق صحابہ کو اطلاع دیتے ہوئے دشمن سے ٹکر لینے کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ خصوصیت سے حضورؐ کے ذہن میں اس موقعہ پر یہ بات کام کر رہی تھی کہ مکہ کے قیام کے پر آشوب زمانہ میں جب انصار مدینہ کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تھا تو انہوں نے حضور سے درخواست کی تھی کہ حضور مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے آئیں اور ساتھ ہی ان نمائندوں نے یہ ذمہ داری بھی قبول کی تھی کہ اگر کسی بیرونی دشمن نے حضور پر مدینہ میں حملہ کیا تو ہم حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے اور دشمن کے مقابلہ میں دفاع کریں گے۔ ابتدائی زمانہ کے معروف سیرت نگار ابن ہشام نے وضاحت کی ہے کہ اس گفتگو کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احساس تھا کہ شاید انصار کو یہ خیال ہو کہ وہ مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کے پابند نہیں اور اگرچہ یہ بات کسی قاعدہ یا رسمی معاہدہ میں طے نہیں کی گئی

تھی مگر حضورؐ کی پاک طینت نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ مکہ کے زمانہ کی اس گفتگو سے اگر اس قسم کے عہد کا شائبہ بھی پیدا ہوتا ہے تو اس کی خلاف ورزی ہو۔ چنانچہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے لشکر کی تازہ اطلاعات کا تذکرہ فرما کر مشورہ طلب فرمایا۔ مورخین کہتے ہیں کہ اس موقع پر بزرگ صحابہ میں سے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بڑی خوبصورت تقاریر کیں۔ اس کے بعد نوجوانوں میں سے مقداد بن اسودؓ نے نوجوان نسل کے جواں سال اخلاص کی نمائندگی کا گویا حق ادا کر دیا۔ مقداد کھڑے ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ! آپ خدا کی راہ نمائی میں آگے بڑھیئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ جا تو اور تیرا خدا جا کر لڑو۔ ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے، بائیں بھی لڑیں گے۔ آپ کے آگے ہو کر بھی لڑیں گے اور آپ کے پیچھے ہو کر بھی لڑیں گے"۔ آپؐ نے یہ تقریر سنی تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتمانے لگا۔ مگر اس کے باوجود آپ کو وفاء عہد کے باریک پہلوؤں کا اس شدت سے احساس تھا کہ آپؐ انصار سے مکہ کے زمانہ کی گفتگو کی بناء پر ان کی طرف سے آزادانہ اظہار رائے کے منتظر تھے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ کھل کر انصار سے مشورہ کے لئے ارشاد بھی نہ فرماتے تھے کہ شاید اس میں بھی کوئی دباؤ کا پہلو نہ سمجھا جائے۔ ادھر انصار غالباً اس خیال سے قریش مکہ کے لشکر کے خلاف مقابلہ کی مہم میں پیش قدمی کے لئے کچھ کہنا نہ چاہتے تھے کہ قریش مکہ باوجود دشمن ہونے کے مہاجر مسلمانوں کے قریبی رشتہ دار ہیں اور بھائی بند ہیں اور وہ مہاجرین کے جذبات کے انتہائی احترام کو مد نظر رکھتے ہوئے خاموش تھے۔ بالآخر حضرت سعد بن معاذؓ کو انصار کی نمائندگی کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ شاید حضور کا ارشاد ہماری طرف ہے۔ فرمایا "ہاں"۔ اس پر معاذؓ نے عرض کیا حضور! ہم آپؐ پر ایمان لائے اور گواہی دی کہ جو کچھ آپؐ لائے وہ حق ہے اور ہم نے آپؐ سے یہ پختہ عہد باندھا ہے اور ایک مضبوط میثاق آپ سے کیا ہے کہ ہم آپؐ کی بات سنیں گے اور آپؐ کی اطاعت کریں گے۔ یا رسول اللہ! آگے بڑھیئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے یہ جو سامنے سمندر ہے اگر آپؐ ہمیں اس میں کود جانے کو کہیں تو ہم کود جائیں گے اور ہم میں سے ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم لڑائی میں صابر و شاکر رہیں گے اور دشمن سے مقابلہ میں صدق کا نمونہ دکھائیں گے اور امید ہے کہ خدا ہمارے وجود میں آپؐ کو وہ نظارہ دکھائے گا جو آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہوگا"۔ (سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 267)

عہد کی پابندی کا جو احساس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں تھا اس کا ایک اور عجیب نظارہ بھی اس غزوہ میں نظر آیا۔ حذیفہ بن یمانؓ کہتے ہیں کہ میں غزوہ بدر میں شامل نہ ہو سکا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ میں اور میرا ایک ساتھی ابو حیل سفر میں تھے کہ کفار مکہ نے ہمیں پکڑ لیا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا رہے ہو (تاکہ آپ کے لشکر میں شامل ہو جاؤ)۔ ہم نے کہا ہم تو مدینہ جا رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے ہم سے یہ عہد لے کر چھوڑا کہ ہم مدینہ چلے جائیں گے اور کفار کے خلاف لڑائی

میں شامل نہ ہوں گے۔ یہ عہد گو جارحانہ حملہ آوروں نے جبراً لیا تھا اور کسی معروف ضابطہ اخلاق میں اس کا ایفاء لازمی نہیں تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عہد کا اتنا پاس تھا کہ ایسے نازک وقت میں جب کہ ایک ایک سپاہی کی ضرورت تھی آپ نے فرمایا "تو پھر تم جاؤ اور اپنے عہد کو پورا کرو۔ ہم اللہ سے ہی مدد چاہتے ہیں اور اسی کی نصرت پر ہمارا بھروسہ ہے (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب الوفاء بالعہد)

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا۔ عین اس وقت جب معاہدہ کی شرطیں زیر تحریر تھیں اور آخری دستخط نہ ہوئے تھے حضرت ابو جندلؓ پا بہ زنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے اور رسول اللہؐ سے فریادی ہوئے۔ تمام مسلمان اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باطمینان تمام ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے ابو جندل! صبر کرو ہم بد عہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد)

صلح حدیبیہ کا معاہدہ مشرکین مکہ کے ساتھ دس سال کے لئے تھا اور اس میں یہ شرط تھی کہ جو قبائل چاہیں مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں یا قریش کے ساتھ، ان سے ہرگز کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ مگر قریش نے دو سال کے اندر اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلہ پر حملہ کر کے ان کے بیس آدمی قتل کر دیئے۔ مظلوم قبیلہ کے افراد مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدد کے طالب ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا ماجرا سنا تو فرمایا "میں تمہاری اسی طرح حفاظت کروں گا جیسے اپنی جان کی۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد3 صفحہ 83)

چنانچہ ان کی مدد کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 8ھ رمضان المبارک میں دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ کی طرف کوچ فرمایا اور فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ پس فتح مکہ بھی آپؐ کے ایفائے عہد کا انعام تھا جو خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو عطا فرمایا۔

اولوالعزمی اور شجاعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد سے پہلے خواب میں دیکھ چکے تھے کہ آپؐ کے کسی عزیز کا نقصان ہوگا یا آپؐ کی ذات کو گزند پہنچے گا اور کچھ صحابی بھی شہید ہوں گے۔ آپ منشاء الٰہی کے ماتحت صحابہ سے مشورہ کرتے ہیں۔ نوجوان صحابہ جوش و اخلاص میں مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہتھیار پہن لیتے ہیں۔ اب نوجوان صحابہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا اور وہ معذرت خواہ تھے لیکن خدا کے نبیؐ نے فرمایا "نبی ہتھیار پہن کر اتارتا نہیں"۔ یہ تھی آپ کی بے مثال شجاعت اور یہی زندہ قوموں کا شیوہ ہونا چاہیئے کہ جب عزم کر لیں تو پھر تذبذب کیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد3 صفحہ6)

اس جنگ میں آپ شدید زخمی ہوئے۔ چہرہ مبارک لہولہان تھا۔ ابی بن خلف ایک کافر مدت سے تیاری کر رہا تھا۔ اس نے ایک گھوڑا پالا ہی اس لئے تھا۔

اس کو روزانہ جوار کھلاتا کہ اس پر چڑھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروں گا (نعوذ باللہ)۔ اس بدبخت کی نظر جب حضورؐ پر پڑی تو گھوڑے کو ایڑھ لگا کر آگے آیا اور یہ نعرہ لگایا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچ جائیں تو میری زندگی عبث ہے۔ صحابہ نے یہ دیکھا تو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے درمیان حائل ہونا چاہا۔ حضورؐ نے فرمایا ہٹ جاؤ اسے آنے دو اور میرے زخمی آقا نے جن کے زخم سے ابھی خون رس رہا تھا نیزہ تھام کر اس کی گردن پر وار کیا۔ وہ چنگھارتا ہوا واپس مڑا۔ کسی نے کہا بھئی معمولی زخم ہے کیا چیختا اور واویلا کرتا ہے۔ اس نے کہا یہ معمولی زخم نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لگایا ہوا ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام زیر عنوان قتل ابی خلف جلد 3 صفحہ 89)

غزوہ حنین نے آپؐ کی بے مثال شجاعت کا ایک غیر فانی مظاہرہ دیکھا۔ مسلمان لشکر اطمینان سے آگے بڑھ رہا تھا۔ ہوازن قبیلہ کی تیر اندازی سے بارہ ہزار کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور ایسی افراتفری کا عالم تھا کہ سواریوں کی لگامیں کھینچ کر سوار ان کی گردنیں دوہری کر رہے تھے مگر بدکی ہوئی سواریاں میدان کی طرف منہ نہ کرتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں خچر پر سوار ایڑ لگا کر آگے بڑھ رہے تھے اور فرما رہے تھے

انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب (بخاری کتاب المغازی باب یوم حنین)

کہ میں نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ اور عبدالمطلب کے خاندان کا چشم و چراغ ہوں۔ بزدل نہیں ہوں۔

دشمن کے لئے یہ ایک غیر متوقع سنہری موقع تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرتا اور اپنے مدت کے بغض و عناد کو عملی جامہ پہناتا۔ پس ایسی صورت میں آپؐ کا وہاں کھڑا رہنا ایک نہایت خطرناک امر تھا جو نہایت بہادری اور جرات چاہتا تھا اور عام عقل انسانی اس واقعہ کی تفصیل کو دیکھ کر حیران ہوجاتی ہے کہ کس طرح صرف چند آدمیوں کے ساتھ آپؐ وہاں کھڑے رہے۔

آپؐ کے ساتھ اس وقت بارہ ہزار بہادر سپاہی تھا جو ایک سے ایک بڑھ کر تھا اور سینکڑوں مواقع پر کمال جرات دکھلا چکا تھا۔ مگر حنین میں کچھ ایسی ابتری پھیلی اور دشمن نے اچانک تیروں کی کچھ ایسی بوچھاڑ کی کہ بہادر سے بہادر سپاہی کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ تاب مقابلہ نہ لاسکا۔ حتیٰ کہ جنگ کا عادی بلکہ میدان جنگ کا تربیت یافتہ عرب گھوڑا بھی گھبرا کر بھاگا اور بعض صحابہ کا بیان ہے کہ اس شدت کا حملہ تھا کہ ہم باوجود کوشش کے نہ سنبھل سکتے تھے اور چاہتے تھے کہ پاؤں جما کر لڑیں مگر قدم نہ جمتے تھے اور ہم اپنے گھوڑوں کو واپس کرتے تھے لیکن گھوڑے نہ لوٹتے تھے اور ہم اس قدر ان کی باگیں کھینچتے تھے کہ گھوڑے دوہرے ہوجاتے تھے مگر پھر آگے کو ہی بھاگتے تھے اور واپس نہ لوٹتے تھے۔ پس اس خطرناک وقت میں جب ایک جرار لشکر پیٹھ پھیر چکا ہو ایک شخص تن تنہا صرف چند وفادار خدام کے ساتھ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا رہے اور تیروں کی بارش کی ذرہ بھی پرواہ نہ کرے تو یہ ایک ایسا فعل نہیں ہوسکتا جو کسی معمولی جرات یا دلیری کا نتیجہ ہو بلکہ آپؐ کے اس فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اپنے سینہ میں ایک ایسا دل رکھتے تھے جو کسی سے ڈرنا جانتا ہی نہ تھا اور خطرناک دشمن کے مقابلہ میں ایسے وقت جب کہ اس کے پاس کوئی ظاہری سامان موجود نہ ہو کھڑا رہنا اس کے

لئے ایک معمولی کام تھا اور یہ ایک ایسا دلیرانہ کام ہے ایسی جرات کا اظہار ہے کہ جس کی نظیر اولین و آخرین کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

آپؐ فداہ ابی و امی خوب جانتے تھے کہ کفار عرب کو کسی جان کی ضرورت ہے تو میری جان کی۔ اگر وہ کسی کے دشمن ہیں تو میرے دشمن ہیں۔ اگر وہ کسی کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے مگر باوجود اس علم کے، باوجود بے یارو مددگار ہونے کے آپؐ ایک دم پیچھے نہ ہٹے بلکہ اس خیال سے کہ خچر ڈر کر نہ بھاگ جائے ایک آدمی کو باگ پکڑادی کہ اسے پکڑ کر آگے بڑھاؤ تا یہ بے بس ہو کر بھاگ نہ جائے۔ بے شک چند آدمی آپؐ کے ساتھ اور بھی رہ گئے تھے۔ مگر اول تو اس عشق کی وجہ سے جو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ تھا وہاں کھڑے رہے۔ دوسرے ان کی جان اس خطرہ میں نہ تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ پس باوجود کمال دلیری کے آپؐ کی جرات کا مقابلہ وہ لوگ بھی نہیں کرسکتے تھے جو اس وقت آپؐ کے ساتھ کھڑے رہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی جانب ایک غزوہ میں شریک ہوئے اور جب آپؐ سفر سے لوٹے تو وہ بھی حضورؐ کے ساتھ لوٹے۔ راستہ میں لشکر ایک ایسی وادی میں جو کانٹے دار درختوں سے پر تھی دوپہر کے وقت گزرا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں اتر پڑے اور آپؐ کے ساتھی ادھر ادھر درختوں میں پھیل گئے اور درختوں کے سایہ میں آرام کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک کیکر کے درخت کے نیچے ٹھہر گئے اور اپنی تلوار اس درخت سے ٹانگ دی۔ جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم تھوڑی دیر کو سو گئے۔ پھر اچانک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز آئی کہ آپؐ ہمیں بلاتے ہیں۔ پس ہم آپؐ کے پاس آئے اور دیکھا کہ آپؐ کے پاس ایک اعرابی بیٹھا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے میری تلوار میان سے کھینچی میں سو رہا تھا۔ اس سے میں جاگ گیا۔ دیکھا تو اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ مجھ سے تجھے کون بچائے گا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ اللہ بچائیگا۔ اب دیکھو یہ سامنے بیٹھا ہے۔ پھر جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی سزا نہ دی۔ دوسری جگہوں پر اس واقعہ میں اس قدر اور زیادتی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کا نام سن کر اس شخص پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھالی اور اس سے فرمایا کہ اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا تو اس نے جواب دیا کہ کوئی نہیں۔ پھر آپؐ نے اسے چھوڑ دیا اور صحابہ کو بلا کر دکھایا۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع)

غیرت دینی

جنگ احد میں ایک درے کی طرف سے دشمن کے حملے کا خطرہ تھا۔ وہاں حفاظت کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیادہ فوج کے پچاس آدمیوں پر عبداللہ بن جبیر کو مقرر کیا اور فرمایا اگر تم یہ بھی دیکھ لو کہ ہماری لاشیں جانور اچک رہے ہیں تب بھی تم اپنی اس جگہ سے نہ ہلنا جب تک میں تم کو کہلا نہ بھیجوں اور تم یہ بھی معلوم کرلو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے اور ان کو مسل دیا ہے تب بھی اس وقت تک کہ تمہیں کہلا نہ بھیجا جائے اپنی جگہ

نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد جنگ ہوئی اور مسلمانوں نے کفار کو شکست دے دی۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم میں دیکھ رہا تھا کہ عورتیں کپڑے اٹھا اٹھا کر بھاگ رہی تھیں اور ان کی پنڈلیاں ننگی ہو رہی تھیں۔ اس بات کو دیکھ کر عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے کہا کہ اے قوم غنیمت کا وقت ہے۔ غنیمت کا وقت ہے تمہارے ساتھی غالب آگئے پھر تم کیا انتظار کر رہے ہو۔ اس پر عبداللہ بن جبیر نے انہیں کہا کہ کیا تم رسول کریمؐ کا حکم بھول گئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم بھی ساری فوج سے مل کر غنیمت حاصل کریں گے۔ جب لشکر سے آ کر مل گئے تو ان کے منہ پھیرے گئے۔ اور شکست کھا کر بھاگے۔ (اس کے بارہ میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی ہے یاد کرو جب رسول تم کو پیچھے کی طرف بلا رہا تھا) اور رسول کریمؐ کے پاس سوائے بارہ آدمیوں کے اور کوئی نہ رہا۔ اس وقت کفار نے ہمارے ستر آدمیوں کا نقصان کیا (اور رسول کریمؐ اور آپؐ کے اصحاب نے جنگ بدر کے موقع پر ایک سو چالیس آدمیوں کا نقصان کیا تھا۔ ستر قتل ہوئے اور ستر قید کئے گئے)۔ غرضیکہ جب لشکر پراگندہ ہو گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف ایک قلیل جماعت ہی رہ گئی تو ابوسفیان نے پکار کر کہا کہ کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور اس بات کو تین بار دہرایا لیکن رسول کریمؐ نے لوگوں کو منع کر دیا کہ وہ جواب نہ دیں۔ اس کے بعد ابو سفیان نے تین دفعہ باواز بلند کہا کہ تم میں ابن ابی قحافہ (ابو بکرؓ) ہے۔ جب اس کا جواب بھی نہ دیا گیا تو پھر اس نے تین دفعہ پکار کر کہا کہ کیا تم میں ابن الخطاب (عمرؓ) ہے۔ پھر بھی جواب نہ ملا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ لوگ مارے گئے ہیں۔ اس بات کو سن کر حضرت عمر برداشت نہ کر سکے اور فرمایا اے خدا کے دشمن تو نے جھوٹ کہا ہے جن کا تو نے نام لیا ہے وہ سب کے سب زندہ ہیں اور وہ چیز جسے تو ناپسند کرتا ہے ابھی باقی ہے۔ اس جواب کو سن کر ابوسفیان نے کہا کہ آج کا دن بدر کا بدلہ ہو گیا اور لڑائیوں کا حال ڈول کا سا ہوتا ہے۔ تم اپنے مقتولوں میں سے بعض ایسے پاؤ گے جن کے ناک کٹے ہوں گے۔ میں نے اس بات کا حکم نہیں دیا تھا لیکن اس بات کو ناپسند بھی نہیں کرتا۔ پھر فخریہ کلمات باواز بلند کہنے لگا اعل ھبل اعل ھبل۔ یعنی اے ھبل (بت) تیرا درجہ بلند ہو۔ اے ھبل تیرا درجہ بلند ہو۔ اس پر رسول کریمؐ نے فرمایا تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کیا کہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہو خدا تعالیٰ ہی سب سے بلند رتبہ اور سب سے زیادہ شان والا ہے۔ ابوسفیان نے یہ بات سن کر کہا ہمارا تو ایک بت عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔ جب صحابہ خاموش رہے تو رسول کریمؐ نے فرمایا کہ کیا تم جواب نہیں دیتے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ہم کیا کہیں۔ آپؐ نے فرمایا ان سے کہو خدا تعالیٰ ہمارا دوست اور کارساز ہے اور تمہارا کوئی دوست نہیں۔ (بخاری۔ کتاب الجہاد باب مایکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب)

باقی آئندہ

"دُنیا کی تاریکیوں کو اُجالوں میں بدلتے چلے جائیں"

پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خدام الاحمدیہ پاکستان کے نام محبت بھرا پیغام

یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان ماہنامہ خالد اور تشحیذ الاذہان کے سالانہ نمبر شائع کر رہی ہے۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس خصوصی اشاعت کو ہر لحاظ سے مفید اور بابرکت فرمائے اور جس جس نے بھی اِن خصوصی سالانہ نمبرز کی تیاری اور اشاعت کے سلسلہ میں کسی رنگ میں تعاون کیا ہے ان سب کو بہترین جزا دے۔ میری طرف سے تمام خدام اور اطفال کو بہت بہت محبّت بھرا اسلام دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قلبی و ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشے اور انہیں اپنی جناب سے وہ نور عطا فرمائے جو دین و دُنیا کے ہر میدان میں ہمیشہ ان کی راہوں کو روشن فرماتا رہے اور وہ اس نُور کی مدد سے دُنیا کی تاریکیوں کو اُجالوں میں بدلتے چلے جائیں۔

اِس وقت ماحول مختلف بُرائیوں سے آلُودہ ہوتا جا رہا ہے جس سے بعض اطفال اور خدام بھی متأثر ہوئے ہیں، یہ بُرائیاں گھروں کو اُجاڑ کر ویران کر رہی ہیں، اِن سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔

میرا پیغام میرے خطبات میں ہے جو خدا کے فضل سے آپ کو ملتا رہتا ہے۔ اس کی روشنی میں چلیں اور وہ نعمت جو خدا نے آپ کو بخشی ہے اس کو حکمت کے ساتھ عقلمندوں کے سامنے سلیقہ سے پیش کریں تاکہ وہ قبول کر کے آپ کے ساتھ شامل ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حکمت اور دانائی کی باتیں سمجھائے اور اپنی پناہ میں رکھے اور سب کے لئے روشنی کا مینار بنائے۔ خدا آپ کے ساتھ ہو۔

والسّلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

لندن ۲۰-۹-۹۱

اسیرانِ رہِ مَولا کی خاطر

ایک دُعا

جو دَرد سِسکتے ہوئے حرفوں میں ڈھلا ہے — شاید کہ یہ آغوشِ جدائی میں پلا ہے

غم دے کے کسے فکرِ مریضِ شبِ غم ہے — یہ کون ہے جو دَرد میں رَس گھول رہا ہے

یہ کِس نے مِرے دَرد کو جینے کی طلب دی — دِل کِس کے لئے عُمرِ خِضَر مانگ رہا ہے

ہر روز نئے فکر ہیں ہر شب ہیں نئے غم — یا رَبّ یہ مِرا دِل ہے کہ مہمان سرا ہے

ہیں کِس کے بدن دیس میں پابندِ سلاسل — پردیس میں اِک رُوح گرفتارِ بَلا ہے

کیا تم کو خبر ہے رہِ مَولا کے اسیرو — تم سے مجھے اِک رشتۂ جاں سب سے سوا ہے

آجاتے ہو کرتے ہو ملاقات شب و روز — یہ سِلسلۂ ربطِ بَہَم صُبح و مَسا ہے

اے تنگیٔ زنداں کے ستائے ہوئے مہمان — وَا چشم ہے۔ دِل باز۔ درِ سینہ کُھلا ہے

تم نے مِری جلوَت میں نئے رنگ بھرے ہیں — تم نے مِری تنہائیوں میں ساتھ دیا ہے

تم چاندنی راتوں میں مِرے پاس رہے ہو — تم سے ہی مِری نقرئی صُبحوں میں ضیا ہے

کِس دِن مجھے تم یاد نہیں آئے مگر آج — کیا روزِ قیامت ہے! کہ اِک حشر بپا ہے

یادوں کے مسافر ہو تمناؤں کے پیکر — بھر دیتے ہو دِل پھر بھی وہی ایک خَلا ہے

سینے سے لگا لینے کی حسرت نہیں مِٹتی — پہلو میں بٹھانے کی تڑپ حد سے سوا ہے

یا رَبّ یہ گدا تیرے ہی دَر کا ہے سوالی — جو دَان ملا تیری ہی چوکھٹ سے ملا ہے

گم گشتہ اسیرانِ رہِ مَولا کی خاطر — مدّت سے فقیر ایک دُعا مانگ رہا ہے

جس رہ میں وہ کھوئے گئے اُس رہ پہ گدا ایک — کشکول لئے چلتا ہے لب پہ یہ صدا ہے

خیرات کر اَب اُن کی رہائی میرے آقا — کشکول میں بھر دے جو مِرے دِل میں بھرا ہے

میں تجھ سے نہ مانگوں تو نہ مانگوں گا کسی سے

میں تیرا ہوں تو میرا خدا میرا خدا ہے

منظوم کلام سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جو ۲۸ جولائی ۱۹۹۱ء بروز اتوار

جلسہ سالانہ U.K. کے آخری اجلاس میں پڑھا گیا

مجلس خدام الاحمدیہ ضلع کراچی کا سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۱ ستمبر ۱۹۹۱ء

صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان محترم حافظ مظفر احمد صاحب صدارت فرمارہے ہیں

شیطان کے حملوں کی سپر تیری اطاعت
مخلوقِ خدا کے لئے تُو حصنِ حَصِین ہے

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی —— بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ

دیکھو کیا کہتی ہے تصویر تمہاری

حضرت مسیح موعود کے چہرہ مبارک کے متعلق غیروں کی آراء

ایک احمدی ٹیچر میاں محمد حسین صاحب سکنہ بلوچستان کی روایت ہے کہ

مجھے مولوی برہان الدین صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگھ کے پاس گئے اور اس وقت حضور ابھی بچہ ہی تھے اس مجلس میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں۔ باتوں باتوں میں مولوی غلام رسول صاحب نے جو کہ ولی اللہ و صاحب کرامات تھے فرمایا کہ

"اگر اس زمانہ میں کوئی نبی ہوتا تو یہ لڑکا نبوت کے قابل ہے" انہوں نے یہ بات حضرت مسیح موعود پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہی۔ مولوی برہان الدین صاحب کہتے ہیں کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا" (حیات طیبہ صفحہ 14)

ایک اسرائیلی پیغمبر

ڈاکٹر قاضی کرم الٰہی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جب وہ لاہور میں ڈاکٹر تھے ان ایام میں ایک انگریز وہاں آیا جو تصویر دیکھ کر قیافہ شناسی کا مدعی تھا۔ کئی ایک لوگ بطور تماشہ بعض تصاویر اس کے پاس لے گئے وہ بتلاتا رہا کہ یہ کیسا آدمی ہے میں نے بھی حضرت مسیح موعود کی تصویر اس کے آگے رکھی اور اس سے پوچھا کہ اس شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے وہ بہت دیر تک اس تصویر کو دیکھتا رہا اور آخر اس نے کہا کہ کسی اسرائیلی پیغمبر کی تصویر ہے" (ذکر حبیب صفحہ 373)

خدا کے نبی کی تصویر

حضرت مفتی محمد صادق صاحب فرماتے ہیں کہ خاکسار 1907ء میں ایک دن مہاراجہ صاحب الور کی ملاقات کے واسطے ان کی کوٹھی پر گیا اور ان کو تبلیغ کرنے کیلئے چند کتابیں بھی ساتھ لے گیا۔ ان کے ویٹنگ روم میں، میں بھی بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں دیوان عبدالحمید صاحب وزیر ریاست کپور تھلہ اور چند دیگر معززین بھی آ گئے۔ اور ایک انگریز بھی وہاں پہنچے جنہوں نے بیان کیا کہ میں مہاراجہ صاحب کا منجم ہوں۔ اس بات کو سن کر دیوان صاحب اور دوسرے لوگ اس انگریز منجم سے باتیں دریافت کرتے رہے میں نے بھی حضرت مسیح موعود.... کی تصویر ایک کتاب میں سے نکال کر اس کے آگے رکھی جس کو بہت غور سے دیکھ کر اس نے کہا۔ "یہ خدا کے کسی نبی کی تصویر ہے" (ذکر حبیب صفحہ 374)

مکرمی شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم نے مسیح موعود کی تصویر یورپ کے بعض بڑے آدمیوں کو دکھائی تو انہوں نے کہا:۔

"HE IS A GREAT THINKER"

(ذکر حبیب از مفتی محمد صادق صاحب صفحہ 373)

نبیوں کی سی صورت

حضرت مسیح موعود کے فوٹو کی "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی (1902 تا 1905ء) کے ذریعہ سے جب مغربی ممالک میں اشاعت ہوئی تو حضرت اقدس کی خدمت میں کئی لوگوں کی چٹھیاں آئیں کہ ہم نے آپ کی فوٹو غور سے دیکھی ہے۔ علم فراست کی رو سے ہمیں یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ جس کی یہ فوٹو ہے وہ ہر گز کاذب نہیں۔ (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ 64)

ایک امریکی خاتون نے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ فوٹو دیکھتی رہوں یہ تو بالکل یسوع مسیح کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ 64)

ایک اور قیافہ شناس لیڈی نے کہا کہ "یہ نبیوں کی سی صورت ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ 64)

حضرت پیر صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی کا بیان

حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی (وفات 27 دسمبر 1885ء) کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ حضرت صوفی صاحب حضرت اقدس کا چہرہ مبارک دیکھتے ہی پکار اٹھے

ہم مریضوں کی ہے تمہیں پہ نظر
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

1884ء کے ایک اشتہار میں لکھتے ہیں:۔

"سن شریف حضرت (مرزا غلام احمد قادیانی) کا قریباً 40 یا 45 سال ہو گا۔ اصلی وطن اجداد کا قدیم ملک فارس معلوم ہوتا ہے۔ نہایت خلیق، صاحب مروت و حیا، جوان رعنا، چہرہ سے محبت الہی ٹپکتی ہے۔ اے ناظرین میں سچی نیت اور کمال جوش صداقت سے التماس کرتا ہوں کہ بے شک وشبہ جناب مرزا صاحب موصوف مجدّد وقت اور طالبان سلوک کیلئے کبریت احمر اور سنگ دلوں کے واسطے پارس اور تاریک باطنوں کے واسطے آفتاب اور گمراہوں کے لئے خضر اور منکران اسلام کے واسطے سیف قاطع اور حاسدوں کے واسطے حجتہ بالغہ ہیں۔ یقین جانو کہ پھر ایسا وقت ہاتھ نہ آئے گا آگاہ ہو کہ امتحان کا وقت آگیا ہے اور حجت الہی قائم ہو چکی ہے اور آفتاب عالم تاب کی طرح بدلائل قطعیہ ایسا ہادی کامل بھیج دیا ہے کہ سچوں کو نور بخشے اور ظلمات وضلالت سے نکالے اور جھوٹوں پر حجت قائم کرے۔" (اشتہار واجب الاظہار مطبوعہ 1884ء)

حضرت مولانا حسن علی صاحب مسلم مشنری کی شہادت

حضرت مولانا حسن علی صاحب بھاگلپوری (ولادت 22 اکتوبر 1852ء وفات 1896ء) شہرہ آفاق مسلم مشنری تھے، جن کے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ آپ 1883ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں لیکچر دینے کے بعد قادیان گئے اور

حضرت مہدی موعود کی زیارت کی۔ آپ اس ملاقات کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

"اللہ اللہ سر سے پا تک ایک نور کے پتلے نظر آتے تھے۔ جو لوگ مخلص ہوتے ہیں اور اخیر رات اٹھ کر اللہ کی جناب رویا دعویا کرتے ہیں ان کے چہروں کو بھی اللہ اپنے نور سے رنگ دیتا ہے اور جن کو کچھ بھی بصیرت ہے وہ اس نور کو دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کو تو اللہ نے سر سے پاؤں تک محبوبیت کا لباس اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔" (رسالہ تائید حق طبع سوم صفحہ 76)

مولانا ابوالکلام آزاد کے برادر مرحوم ابو النصرآہ کی شہادت

مولانا ابوالکلام آزاد کے بڑے بھائی مولانا ابو النصر آہ (متوفی 1907ء) 2 مئی 1905ء کو حضرت اقدس مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر اتنے متاثر ہوئے کہ بیعت کر لی۔ مولانا ابوالنصر نے امرتسر کے اخبار وکیل میں سفر قادیان اور حضور کی زیارت کا ذکر بڑے وجد آفریں انداز میں کیا۔ چنانچہ لکھا:

"مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر بہت فوری ہوتا ہے آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے اور باتوں میں ملائمت ہے۔ طبیعت منکسر مگر حکومت خیز۔ مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا۔ بردباری کی شان نے انکساری کی کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے۔ گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا متبسم ہیں۔ رنگ گورا ہے۔ بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں۔ جسم مضبوط اور محنتی ہے سر پر پنجابی وضع کی سپید پگڑی باندھتے ہیں۔ سیاہ یا خاکی لمبا کوٹ زیب تن فرماتے ہیں۔ پاؤں میں جراب اور دیسی جوتی ہوتی ہے عمر قریباً 66 سال کی ہے۔" (الحکم 24 مئی 1905ء و بدر 25 مئی 1905ء)

ایران کے مستند عالم المهدی الحکیم کی شہادت

امیر نجید المهدی الحکیم بن محمد التقی بن جعفر (ایران) کے ممتاز عالم اور رسالہ حکمہ کے ایڈیٹر تھے۔ آپ اپنی کتاب "مفتاح باب الابواب" مطبوعہ مصر 1321ھ میں "مرزا غلام احمد قادیانی" کے عنوان سے لکھتے:

"و میرزا غلام احمد الان فی (71) من عمره وهو صحیح الجسم واسع الصدر کریم النفس یعرف اللغات الاردیہ والفارسیہ والعربیہ"

ترجمہ:۔ اور مرزا غلام احمد اس وقت 71 برس کے ہیں اور وہ صحیح الجسم، کشادہ سینہ اور شریف الطبع ہیں۔ آپ اردو، فارسی اور عربی زبانیں جانتے ہیں۔" (بحوالہ البشریٰ جلد 15 صفحہ 16۔20)

مرزا فرحت اللہ بیگ کی شہادت

برصغیر پاک و ہند کے ممتاز ادیب مرزا فرحت اللہ بیگ (ولادت 1886ء وفات 1947ء) اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:۔

اب ایک ایسے شخص سے میرے ملنے کا حال سنیئے جو اپنے فرقہ میں نبی سمجھا جاتا ہے اور دوسرے فرقہ والے خدا جانے اس کو کیا کچھ نہیں کہتے۔ یہ کون ہے۔ جناب مرزا غلام احمد قادیانی بانی فرقہ احمدیہ۔ ان سے میرا رشتہ یہ ہے کہ میری خالہ زاد بہن ان سے منسوب تھیں اس

لئے یہ جب کبھی دلی آتے تو مجھے ضرور بلا بھیجتے اور پانچ روپے دیتے چنانچہ دو تین دفعہ ان سے میرا ملنا ہوا مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ انہوں نے کبھی مجھ سے ایسی گفتگو نہیں کی جس کو تبلیغ کہا جا سکے۔ میں اس زمانے میں ایف اے میں پڑھتا تھا۔ زیادہ تر مسلمانوں کی تعلیم کا ذکر ہوتا تھا اور اس پر وہ افسوس ظاہر کیا کرتے تھے کہ مسلمان اپنی مذہبی تعلیم سے بالکل بے خبر ہیں اور جب تک مذہبی تعلیم عام نہ ہو گی اس وقت تک مسلمان ترقی کی راہ سے ہٹے رہیں گے۔

میرے ایک چچا تھے جن کا نام مرزا عنایت اللہ بیگ تھا یہ بڑے فقیر تھے۔ تمام ہندوستان کا سفر فقیروں سے ملنے کیلئے کیا۔ بڑی بڑی سخت ریاضتیں کیں۔ چنانچہ اس سے ان کی محنت کا اندازہ کرلیجئے کہ تقریباً چالیس سال تک یہ رات کو نہیں سوئے۔ صبح کی نماز پڑھ کر دو اڑھائی گھنٹے کیلئے سو جاتے ورنہ سارا وقت یاد الٰہی میں گزارتے۔ ایک دن میں جو مرزا غلام احمد کے ہاں جانے لگا تو چچا صاحب قبلہ نے مجھ سے کہا "بیٹا میرا ایک کام ہے وہ کر دو اور وہ کام یہ ہے کہ جن صاحب سے تم ملنے جا رہے ہو ان کی آنکھوں کو دیکھو کہ کس رنگ کی ہیں۔" میں سمجھا بھی نہیں کہ اس سے ان کا کیا مطلب ہے۔ مگر جب مرزا صاحب کے پاس گیا تو بڑے غور سے ان کی آنکھوں کو دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سبز رنگ کا پانی گردش کرتا معلوم ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں میں نے خود بھی ان کو بڑے غور سے دیکھا کیونکہ اس سے پہلے جو میں ان کے پاس جاتا تھا تو ہمیشہ نیچی آنکھیں کر کے بیٹھتا تھا اس دفعہ میں نے دیکھا ان کا چہرہ بہت بارونق تھا سر پر کوئی دو انگل کے بال ہیں۔ داڑھی خاصی نیچی ہے۔ آنکھیں جھکی جھکی ہیں بات کرتے ہیں تو بہت متانت سے کرتے ہیں مگر بعض وقت جھلا بھی جاتے ہیں۔ بہرحال وہاں سے واپس آنے کے بعد میں نے چچا صاحب قبلہ سے تمام واقعات بیان کئے۔ "فرحت دیکھو اس شخص کو برا کبھی نہ کہنا۔ فقیر ہے اور یہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں۔" میں نے کہا یہ آپ نے کیوں کر جانا فرمایا "جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں ہر وقت غرق رہتا ہے اس کی آنکھوں میں سبزی آجاتی ہے اور یہ معلوم ہوتا کہ سبز رنگ کے پانی کی ایک لہر ان میں دوڑ رہی ہے"۔ میں نے اس وقت تو ان سے اس کی وجہ نہیں پوچھی مگر بعد میں معلوم ہوا کہ سب فقراء اور اہل طریقت اس پر متفق ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کا رنگ سبز ہے۔ اسی کا عکس آپ کے زیادہ خیال کرنے سے آنکھوں میں جم جاتا ہے۔" (عالمی ڈائجسٹ کراچی اکتوبر 1968ء صفحہ 73-74 بحوالہ الفرقان جون 1974ء)

(مرتبہ: سید مبشر احمد ایاز۔ ایڈیٹر خالد)

بیسویں صدی کا علمی شاہکار

حال ہی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے "بیسویں صدی کا علمی شاہکار"۔ کتاب کے ادبی اور علمی مقام کے متعلق کچھ تبصرہ کرنا اس وقت مقصود نہیں اس کا اندازہ مصنف کے نام سے ہی ہوجاتا ہے۔ افادیت کے پیش نظر اس کے کچھ حصے اختصار کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ انہیں پڑھ کر قارئین خود اندازہ لگاسکیں گے کہ مصنف نے کتنی محنت سے یہ مواد جمع کرکے اسے ایک ایسا صاف اور شفاف آئینہ بنا کر پیش کیا ہے کہ علم وادب کے خزانوں کو چرانے والے اور اس چوری کے مال کو شیر مادر سمجھنے والوں کے چہرے اس میں صاف نظر آجاتے ہیں۔ مستزاد یہ کہ یہی لوگ تھے جو کل کلاں بلکہ آج بھی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر "ادبی سرقے" کا الزام لگاتے تھے اور خدا کی قدرت کہ:

بہر کیف میں زیادہ دیر تک قارئین کے ادبی ذوق واشتیاق اور اس اعلیٰ درجہ کی تحقیق والے مضمون کے مابین حائل نہیں ہونا چاہتا۔ مضمون پڑھیئے اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر رحمتیں بھیجیں کہ جنہوں نے حقیقی خدا کا پتہ ہمیں دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال پر اطلاع پا کر ہمیں خبر دی اور اس کا اقرار ہر طرح سے غیروں کو بھی کرنا پڑا جیسا کہ اس مضمون سے ظاہر و بالا ہے۔ آخر پر اس کتاب کے مصنف کے لئے دعائے خیر کی بھی درخواست ہے جن کا میں صرف نام درج کرنا کافی سمجھتا ہوں کیونکہ وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ میری مراد مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد سے ہے۔

مشاہیر سخن کے کلام میں توارد اں کی بدیہہ گوئی، برجستگی، فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کا پتہ دیتی ہے۔ اس لئے اہل زبان خاص اہتمام سے اس کا تذکرہ کرتے چلے آرہے ہیں اور دور قدیم و جدید کے مشہور یکتائے فن کی نگارشات کا باہم موازنہ و مقابلہ ادب کا گل سر سبد تسلیم کیا گیا ہے۔ اس میدان میں علمی جوہر دکھلانے والوں کا نام محسنین ادب کی حیثیت سے نہایت درجہ اعزاز و اکرام کا مستحق ہے اور آنے والی نسلیں ان پر ہمیشہ فخر کریں گی۔

اس کے برعکس اصناف سخن کی ایک انوکھی اور عجیب و غریب نوع بالخصوص موجودہ زمانہ کی اختراع ہے جس کا منظر عام پر لانا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل قلم حضرات بانی سلسلہ کے کلام منظوم اور کلام منثور سے استفادہ کرتے ہیں اور اسے لفظاً لفظاً یا معمولی تغیر کے ساتھ اپنی طرف یا کسی اور شخصیت کی طرف منسوب کر کے پھیلا رہے ہیں۔ یہ رجحان روز بروز جس کثرت سے بڑھ رہا ہے صفحہ ہستی پر اس کی کوئی مثال اس سے قبل نہیں ملتی۔

اس نوع جدید کے موجدوں اور خوشہ چینوں میں شعرائے عظام، مفتیان کرام، مقتدر صحافی، پیران طریقت، نامور مناظر اور منبر و محراب کے مسند نشین، شعلہ نوا خطیب، نامور ماہرین تعلیم اور شہرت یافتہ قانون دان اور وکلاء غرض کہ ہر مکتب خیال سے تعلق اور شغف رکھنے والے معزز اصحاب شامل ہیں۔ یہ دلچسپ سلسلہ برصغیر سے نکل کر بعض بیرون ممالک تک جا پہنچا ہے اور پرلطف بات یہ ہے کہ بانی احمدیہ کی تصانیف پر تنقید اور ان کی ضبطی کے مطالبات بھی مدتوں سے برابر جاری ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا بلند پایہ لٹریچر اردو، عربی اور فارسی کی اٹھاسی تالیفات پر مشتمل ہے۔ نیز آپ کے اشتہارات، مکتوبات اور ملفوظات کا بیش بہا ذخیرہ اس کے علاوہ ہے۔ جن اکابر ملت نے آپ کی گراں مایہ کتب کو خراج تحسین ادا کیا ہے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مرزا حیرت دہلوی، مولانا محبوب عالم صاحب، پروفیسر سید عبدالقادر صاحب، مصور فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا نیاز فتح پوری، مولانا شجاع اللہ خان، مولانا سید حبیب صاحب مدیر سیاست۔

اردو زبان میں سند

ماہ دسمبر 1913ء میں آل انڈیا محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کا ستائیسواں اجلاس آگرہ میں منعقد ہوا۔ خواجہ غلام الثقلین نے اپنے خطبہ صدارت میں خاص طور پر ان مشاہیر کا ذکر کیا جنہوں نے اردو کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ اس ضمن میں بانی سلسلہ احمدیہ کو ان مایہ ناز ہستیوں کی صف میں شمار کیا جن کو آج اردو زبان میں بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً پروفیسر آزاد، مولانا حالی، سرسید احمد خان، داغ، امیر، جلال لکھنوی (دیکھئے رپورٹ اجلاس مذکور صفحہ 76)

کلام منظوم سے اکتساب فیض

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ہمعصر ممتاز شعراء میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

مومن، میر ببر علی انیس، مرزا سلامت علی، سید اکبر حسین اکبر، ریاض احمد ریاض، سید علی نقی صفی لکھنوی اور فصاحت جنگ جلیل حسن جلیل

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو مشق سخن کے آغاز ہی سے تلمذ کسی سے نہ تھا۔ دعوی سے قبل آپ کا تخلص فرخ تھا جسے بعد کو آپ نے ترک کر دیا۔ آپ نے اصطلاحی معنوں میں کبھی اپنے تئیں شاعر کہلانا گوارا نہیں کیا اور نہ ہی شعر گوئی کو بطور فن اختیار فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں:۔

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

نیز لکھتے ہیں:۔

"کوئی شاعری دکھلانا منظور نہیں اور نہ ہی میں یہ نام اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔۔۔۔۔اصل مطلب امر حق کو دلوں میں ڈالنا ہے۔ شاعری سے کچھ تعلق نہیں"۔

آپ کا روح پرور شعری کلام اردو، فارسی اور عربی زبان میں ہے۔ آپ نے شعر و سخن کی بنیاد خالص دینی و روحانی اقدار پر رکھی جس نے دنیا بھر کے لاکھوں اذہان و قلوب کو متاثر کیا۔ برصغیر پاک و ہند کے مشہور دانشور خواجہ عبدالرشید "تذکرہ شعرائے پنجاب" میں رقمطراز ہیں کہ:۔

(ترجمہ) میرزا غلام احمد قادیانی

آپ ایک گاؤں میں جو قادیان کے نام سے مشہور ہے اور ضلع گورداسپور میں واقع ہے پیدا ہوئے۔ آپ کا سنہ ولادت 1835ء ہے۔ بچپن کے زمانہ سے ہی آپ دین مبین سے گہری وابستگی رکھتے تھے اور اپنے عمیق مطالعہ کا آغاز اس مذہب کے بارہ میں کر چکے تھے۔ ان دنوں ہندو، مسیحی اور نصرانی تبلیغ کرکے لوگوں کو راہ حق سے منحرف کر رہے تھے۔ میرزا صاحب موصوف ان خلاف اسلام پروپیگنڈوں کے جواب کے لئے کمر بستہ ہوگئے اور آپ نے بہت ہی محکم و قاطع دلائل سے دشمنان اسلام کو شکست دی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد اسی (80) کے لگ بھگ ہے۔ آپ شعر گوئی کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ آپ نے ایک کتاب "درثمین" کے نام سے فارسی زبان میں چھپوائی۔ ذیل میں سے اس کتاب میں سے چند منتخب اشعار دئے جاتے ہیں:۔

(ترجمہ اشعار) میں تیار ہوں کہ جان و دل تجھ پر قربان کردوں کیونکہ جان کو محبوب کے سپرد کردینا ہی اصل دوستی ہے۔

فصل بہار اور پھولوں کا موسم میرے لئے بیکار ہیں کیونکہ میں تو ہر وقت تیرے چہرے کے خیال کی وجہ سے ایک چمن میں ہوں۔

اگر تیرے کوچہ میں عاشقوں کے سر اتارے جائیں تو سب سے پہلے جو عشق کا دعوی کرنے گا وہ میں ہوں گا۔

(اے محبت!) ایک تجلی سے تو ذرہ کو سورج بنادیتی ہے اور بہت دفعہ ہماری طرح کی خاک کو تو نے چمکتا ہوا چاند بنا دیا۔

دنیا کے عقلمندوں کو تو دیوانہ بنادیتی ہے اور بہت سے عقلمندی کے گھروں کو تو نے ویران کردیا۔

میں بھی جب تک دیوانہ نہ ہوگیا میرے ہوش ٹھکانے نہ ہوئے۔

اے جنون عشق! میں تجھ پر قربان۔ تو نے کتنا احسان کیا۔ میرے دل میں اس سردار کی تعریف جوش مار رہی ہے جو خوبی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔

اس کے پاک نفس پر ہر کمال ختم ہوگیا اس لئے اس پر پیغمبروں کا خاتمہ ہوگیا۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد ان شخصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جنہوں نے بانی سلسلہ احمدیہ کے کلام منظوم سے استفادہ

فرمایا ہے:-

1۔ مولانا حافظ عطاء اللہ صاحب بریلوی خادم قرآن تعلیم یافتہ دارالعلوم دیوبند وسہانپور

مولانا حافظ عطاء اللہ صاحب نے "اعجاز قرآن" کے نام سے ایک مبسوط رسالہ رقم فرمایا جو 1937ء میں ہندوستانی کتب خانہ اردو بازار جامع مسجد دہلی نے شائع کیا۔ رسالہ کے سرورق پر نہایت جلی قلم سے یہ الفاظ درج ہیں۔

"اس رسالہ میں بحمدہ تعالیٰ دہریت، آریت، عیسائیت، بہائیت، اور قادیانیت کے خیالی قلعوں کو اعجاز قرآن کی تین اقسام سے بم باری کر کے بکلی مسمار کر دیا گیا ہے"۔

مولانا نے "قادیانیت کے خیالی قلعے" پر بم باری کے لئے یہ دلچسپ طریق اختیار کیا کہ رسالہ کے صفحہ 104 پر "در مدح قرآن" کے زیر عنوان حسب ذیل نظم شائع فرمائی ہے جو 1882ء میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ ہی کے قلم مبارک سے نکلی اور براہین احمدیہ حصہ سوم کے صفحہ 182 پر شائع ہو چکی تھی۔

جناب مولانا صاحب نے قارئین پر اپنی جودت طبع کا سکہ جمانے کے لئے کمال ہوشیاری کے ساتھ حضور کی نظم کے ترتیب وار گیارہ اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے شعر نمبر 2،4،7،9 کے ابتدائی مصرعوں میں مندرجہ ذیل تصرفات سے کام لیا ہے۔

تصرف شدہ مصرعہ

شعر نمبر2۔ نظر اس کی نہیں ملتی بہت کچھ غور کر دیکھا

اصل مصرعہ۔ نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا

تصرف شدہ مصرعہ

شعر نمبر4۔ کلام پاک یزداں کا نہیں ثانی کوئی ہرگز

اصل مصرعہ۔ کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز

تصرف شدہ مصرعہ

شعر نمبر7۔ بنا سکتا نہیں ہرگز بشر اک پاؤں کیڑے کا

اصل مصرعہ۔ بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز

تصرف شدہ مصرعہ

شعر نمبر9۔ خدا کا غیر کو ہمسر بنانا سخت کفراں ہے

اصل مصرعہ۔ خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے

فاضل مولف نے اس پر معارف نظم کے آخری اور بارھویں شعر کے نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔ شاید یہ ان کے طبع نازک پر گراں ہو۔ وہ شعر یہ ہے:-

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

2۔ ابوالوفا مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر اہل حدیث، امرتسر

(ولادت جون 1868ء۔ وفات 15 مارچ 1948ء)

آپ متحدہ ہندوستان میں اہل حدیث کے ممتاز عالم، مصنف اور مناظر تھے۔ آپ کے غالی عقیدت مندوں نے آپ کو "فاتح اسلام" کا لقب آپ کی زندگی میں دیا۔ (اہل حدیث 11 اگست 1944ء صفحہ 5) اور بعد از وفات"

آپ حجۃ الاسلام" اور "مسیحا" قرار دیئے گئے (سیرت ثنائی صفحہ 414 از مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی)

مولانا ثناءاللہ صاحب نے 4 جنوری 1924ء کو لاہور کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:-

"چونکہ میں قرآن کریم کو اپنا بلکہ جملہ انسانوں کا کامل ہدایت نامہ جانتا ہوں اس لئے اپنا اعتقاد دو شعروں میں ظاہر کرنے کے بعد رخصت ہوتا ہوں۔

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیوں کر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ 86۔ ناشر ادارہ ترجمان السنہ 7۔ ایبک روڈ لاہور)

3۔ قاری محمد یونس صاحب رحیمی صدر اتحاد القراء فیصل آباد۔ قاری محمد عابد صاحب جنرل سیکرٹری اتحاد القراء فیصل آباد۔

21 مئی 1981ء کو مرکزی جامع مسجد جناح کالونی فیصل آباد میں بعد نماز عشاء دوسری محفل قرات منعقد ہوئی۔ اس ضمن میں مندرجہ بالا علماء کرام نے ایک قد آدم پوسٹر آویزاں کیا جس کی پیشانی پر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ عارفانہ شعر کمال شان دلربائی کے ساتھ چمک رہا تھا۔

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

اس اشتہار کے مطابق محفل قرات کی صدارت مولانا تاج محمود صاحب ایڈیٹر "لولاک" نے کی۔ مہمان خصوصی مولانا اظہار احمد صاحب تھانوی (ریڈیو پاکستان لاہور) تھے۔

4۔ جناب گنڈو زین العابدین صاحب ساکن وامباڑی علاقہ مدراس

عرصہ ہوا "تعلیم ترجمۃ القرآن" کے نام سے آپ کی طرف سے ایک مفید رسالہ چھپا۔ جس کے صفحہ 12۔13 میں حسب ذیل نظم شائع ہوئی۔

وصف قرآن مجید

دیکھو شب قدر میں قرآن چمکتا نکلا
کیا ہی اسلام کا خورشید دل آراء نکلا
حق کے اس نور کا کوئی بھی ہمتا نکلا
نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
شرک اور کفر کی ظلمت سے تھا اندھیر مچا
ظلم و عصیاں و خباثت میں پھنسی تھی دنیا
بحر و بر بگڑے تھے اور ساری زمیں تھی مردہ

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفا نکلا

(رسالہ تعلیم ترجمہ القرآن ص 12۔13 مطبوعہ مطبع کریمی تلملکھرمی مدراس)

قارئین حضرات کو یہ معلوم کرکے حیرانی ہوگی کہ اس نظم کے بیشتر مصرعے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی معرکہ آراء کتاب براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ 274 (مطبوعہ 1882ء) سے اخذ کئے گئے ہیں۔ نظم کے کچھ اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں تا یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ آپ کے قلم سے نکلا ہوا کلام کس شان کا حامل ہے۔

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمہ اصفیٰ نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

5۔مولانا صالح محمد صاحب حنفی

"خطبات الحنفیہ" پنجاب کے حنفی عالم مولانا صالح محمد صاحب مرحوم کی مشہور تالیف ہے جو شیخ سراج دین اینڈ سنز لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوچکی ہے۔ کتاب کے صفحہ 221 پر "بتیسواں وعظ فضائل ماہ رمضان" کے زیر عنوان حسب ذیل 12 اشعار درج ہیں جن میں سے شعر نمبر6۔7۔ نمبر9۔10 کے سوا کتاب براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ 268 (مطبوعہ 1882ء) سے کچھ تصرف کے ساتھ مستعار لئے گئے ہیں۔

اے عزیزو سنو کہ بے قرآں
حق کو پاتا نہیں کبھی انساں
جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں
ان پہ نیکی کا کچھ اثر ہی نہیں
ہے یہ فرقاں میں اک عجیب اثر
اس سے ملتا ہے خالق اکبر
کوئے حق میں یہ کھینچ لاتا ہے
پھر تو کیا کیا نشاں دکھاتا ہے
دل میں ہر وقت نور بھرتا ہے
سینے کو خوب صاف کرتا ہے
راہ نیکی کی یہ دکھاتا ہے
کجروی سے یہی بچاتا ہے
شرک کو دل سے دور کرتا ہے
کبر و نخوت کو چور کرتا ہے
سینے میں نقش حق جماتا ہے
دل سے غیر خدا اٹھاتا ہے
بحر حکمت ہے یہ کلام تمام
عشق حق کا پلاتا ہے یہ جام
دل کے اندھوں کی ہے دوا یہ ہی
سرمہ ہے بس خدا نما یہ ہی
اس کے منکر جو بات کہتے ہیں
سر بسر واہیات کہتے ہیں

بقیہ ص ۶۰ پر

جلسہ سالانہ برطانیہ 1991ء

3-9 AUGUST 1991 NO.29

WATAN WEEK END LONDON بیاد عنایت اللہ مرحوم

ویک اینڈ لندن

وطن
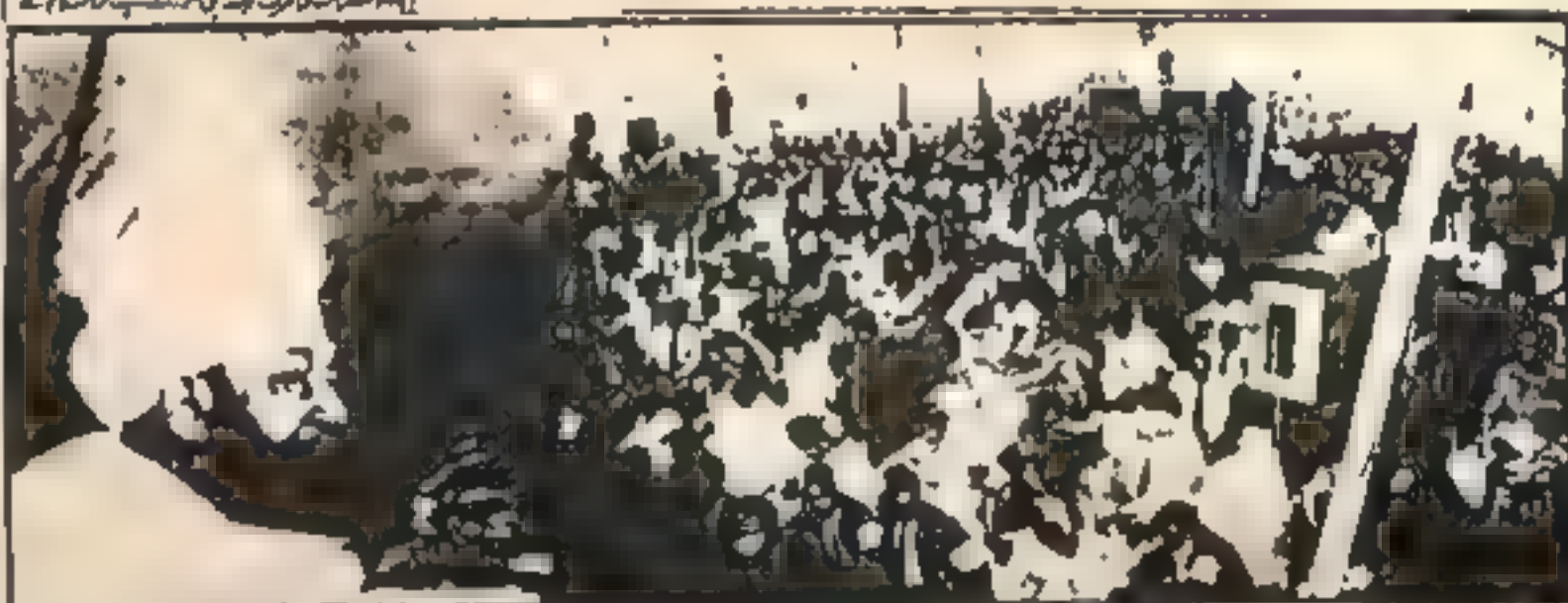
لندن میں قادیانی جماعت کا سالانہ اجتماع ختم ہو گیا۔

44 ممالک سے ہزاروں افراد نے شرکت کی ۔ مرزا طاہر نے اجتماع سے افتتاحی اور اختتامی خطاب کیا

پاکستان سمیت 11 ممالک میں مقررین کا خطاب براہ راست نشر کیا گیا

"جنگ لاہور 30 جون 91ء"

ربوہ (نامہ نگار) لندن سے موصولہ تازہ اطلاعات کے مطابق قادیانی جماعت برطانیہ کا سالانہ جلسہ ختم ہو گیا معلوم ہوا ہے کہ اس سال دنیا بھر کے چوالیس ممالک سے ہزاروں افراد نے جلسہ میں شرکت کی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے افتتاحی خطاب اور اختتامی خطاب کے علاوہ دیگر مقررین کی تقاریر کا ترجمہ سات مختلف زبانوں میں ساتھ ساتھ کئے جانے کا اہتمام کیا گیا علاوہ ازیں ان تقاریر کو پاکستان سمیت گیارہ ممالک میں براہ راست نشر کیا گیا مرزا طاہر احمد نے جماعت میں ہونے والی ترقی کا خاکہ پیش کیا قادیانی نے کہا کہ جلسے کے بعد "انٹرنیشنل مجلس مشاورت" کا اجلاس ہوا جس میں ہر ملک سے آنے والے وفود نے شرکت کی۔

یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

پہلا روز۔ 26 جولائی جمعہ المبارک

دنیا بھر کے 44 ممالک سے 7250 فرزندان احمدیت کی شمولیت

لوائے احمدیت انگلستان کی فضاؤں میں

امام جماعت احمدیہ کے پرمعارف خطاب کا بیک وقت سات زبانوں میں ترجمہ

پاکستان سمیت دنیا کے گیارہ ممالک میں حضور پرنور کا خطاب براہ راست سنایا گیا

"واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً" کی پر معارف تفسیر

جماعت احمدیہ برطانیہ کا جلسہ سالانہ 1991ء اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ 26/ جولائی بروز جمعہ اسلام آباد (ٹلفورڈ) میں شروع ہوا۔ افتتاحی اجلاس میں 44 ممالک سے 7250 افراد شامل ہوئے جن میں سے 2310 برطانیہ کے علاوہ دیگر ممالک سے آئے تھے۔ جلسہ سالانہ کی جو رپورٹ مکرم وکیل اعلیٰ صاحب تحریک جدید کے توسط سے ملی وہ ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔

26 جولائی کو اسلام آباد میں سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا طاہر احمد صاحب نے ساڑھے چار بجے شام لوائے احمدیت لہرانے کے بعد جلسہ سالانہ یو۔کے کا افتتاح فرمایا۔ افتتاحی تقریر میں حضور نے نظام قدرت ثانیہ سے وابستگی، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے اور نظام جماعت کی اطاعت کی ضرورت اور اہمیت کا مضمون بیان فرمایا۔ افتتاحی اجلاس میں 44 ممالک کے 7250 نمائندے شامل تھے۔ جن میں سے 2310 کا تعلق انگلستان کے علاوہ دوسرے ممالک سے تھا۔ حضور کی تقریر کا ترجمہ بیک وقت سات زبانوں میں کیا جا رہا تھا۔ اور گیارہ مختلف ممالک میں احباب جماعت اپنی اپنی جگہ براہ راست حضور کا افتتاحی خطاب سن رہے تھے۔

دوسرا روز 27 جولائی۔ بروز ہفتہ

خواتین سے خطاب

ماؤں کی اصلاح کے بغیر بچوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی

ماں اپنے عمل سے ثابت کرے کہ واقعی ماں کے قدموں تلے جنت ہے

اپنے آپ میں نیک اور صالح ماں بننے کی خوبیاں پیدا کریں

جلسہ کے دوسرے دن 27 مئی کو 12 بجے قبل از دوپہر حضور نے زنانہ جلسہ گاہ میں خواتین سے خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں حضور نے خواتین کو اس طرف توجہ دلائی کہ ماؤں کی اصلاح کے بغیر بچوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ نیز فرمایا کہ ہر احمدی ماں کو اپنے عمل کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ واقعی ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔ تبھی بچوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

غیر شادی شدہ لڑکیوں کو حضور نے توجہ دلائی کہ نیک اور صالح ماں بننے کی خوبیاں ابھی سے اپنے آپ پیدا کریں۔

حضور پر نور کا مردوں میں خطاب

اک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا

282 نئی جماعتوں کا قیام

297 نئے مقامات پر پہلی مرتبہ جماعت کا نفوذ

86 بیوت الذکر کی تعمیر اور 25 زیر تعمیر

ڈیڑھ ہزار سے زائد بیوت الذکر کا خدا کی طرف سے تحفہ

افریقہ کے 18 ممالک میں احمدیہ مراکز کی تعداد ایک سو پچاس ہوئی

14 یورپین ممالک میں 37 مراکز

اکتیس ممالک میں دو سو تریسٹھ گھنٹے کے چار سو انیس پروگرام ریڈیو پر نشر ہوئے

ٹی وی پر تین سو انسٹھ پروگرام میں ایک سو چوراسی گھنٹے وقت دیا گیا۔

دنیا بھر کے تین سو چھیانوے اخبارات نے تین ہزار ایک سو تین جماعت کی خبریں شائع کیں

جماعتی ہسپتالوں میں 4 ہسپتالوں کا اضافہ

پریس اینڈ پبلیکیشن کے شعبہ کی طرف سے چار ہزار تین سو خطوط اور مضامین دنیا بھر کے اخبارات کو بھیجے گئے۔ ایک سو ...ہ

پریس ریلیز جاری کئے گئے

قرآن کریم کے تراجم کی تعداد خدا کے فضل سے چوالیس ہو گئی

سوا دو لاکھ کتب کی اشاعت

افریقہ کے پانچ ممالک میں جدید قسم کے پرنٹنگ پریس

سوا آٹھ ہزار سے زائد واقفین نو

صرف گیمبیا میں تیرہ ہزار تین سو ستائیس مریضوں کا مفت علاج

جماعت کا کل بجٹ خدا کے فضل سے 39 کروڑ اکیاسی لاکھ ہو چکا ہے

ایک سو چھبیس ممالک میں جماعت کا قیام

امسال پچاس ہزار سے زائد افراد کی جماعت میں شمولیت

جلسہ سالانہ کے دوسرے روز سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ پر ہونے والے دوران سال دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کے افضال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ امسال دنیا بھر میں 282 نئی جماعتیں قائم ہوئیں اور 297 نئے مقامات پر پہلی مرتبہ احمدیت کا نفوذ ہوا۔ اس طرح یہ کل تعداد جہاں نئی جماعتیں قائم ہوئیں اور نئے علاقوں میں احمدیت کا نفوذ ہوا 579 بنتی ہیں۔ نئی بیوت الذکر کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ امسال 86 بیوت الذکر تعمیر ہوئیں اور 25 زیر تعمیر ہیں۔ یہ کل تعداد ایک سو گیارہ بنتی ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں جب کہ پاکستان میں ہماری بیوت الذکر منہدم کی گئیں اس کے مقابل پر اس عرصے میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار سے زائد بیوت الذکر جماعت کو عطا فرمائی ہیں۔ اس کے علاوہ اسی عرصہ میں پانچ سو اکیانوے بیوت الذکر بنی بنائی عطا ہوئی ہیں۔ یعنی اپنے اماموں اور مقتدیوں سمیت اس سال بنی بنائی بیوت الذکر جو ہمیں ملی ہیں ان کی تعداد 76 ہے یہ پانچ سو اکیانوے میں شامل ہیں۔

نئے مراکز کا ذکر کرتے ہوئے حضور پر نور نے فرمایا افریقہ میں 13 نئے مراکز کا اضافہ ہوا ہے۔ اس اضافے کے بعد افریقہ کے 18 ممالک میں احمدیہ مراکز کی تعداد ایک سو انچاس ہو گئی ہے۔ اس سال افریقہ کے ممالک میں تئیس قطعات زمین خریدے گئے ہیں۔ اس طرح 1984ء سے اب تک افریقہ میں خریدے جانے والے قطعات زمین کی تعداد 172 ہو گئی ہے۔ صرف گیمبیا میں ہی امسال 13 امارات تعمیر ہوئی ہیں اور بعض کی مرمت ہوئی ہے۔ یورپ کے احمدیہ مراکز کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا امسال پولینڈ اور ترکی میں ایک ایک عمارت بطور مشن ہاؤس حاصل کی گئی ہے۔ اس طرح یورپین مراکز کی تعداد 37 ہو گئی ہے۔ 1983ء میں آٹھ یورپین ممالک میں 17 مراکز تھے اور اب 14 ممالک میں 37 مراکز ہیں۔ اس دور میں (یعنی 1984ء سے لے کر اب تک جب سے حضور لندن تشریف لے گئے ہیں، اس وقت سے آج تک کا دور مراد ہے) میں چھ ممالک کا اضافہ ہوا اور 20 نئے مراکز بنے۔ کینیڈا کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ اوٹاوہ میں سو ایکڑ رقبہ خریدا گیا ہے۔ اس میں بنی بنائی بلڈنگ بھی موجود ہے۔ نیز وینی پیگ (WINNIPEG) میں بطور مشن ہاؤس ایک عمارت خریدی گئی ہے۔ اس طرح کینیڈا کے مراکز کی تعداد 9 ہو گئی ہے۔ 1984ء میں صرف دو شہروں میں جماعت کی اپنی پراپرٹی تھی اب 9 بڑے شہروں میں جماعت کی اپنی پراپرٹی ہے۔ حضور پر نور نے فرمایا اس کے علاوہ سات بڑے شہروں میں 336 ایکڑ زمین کینیڈا کی جماعت حاصل کر چکی ہے۔ ایشین ممالک کے مراکز کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ امسال ان میں 6 کا اضافہ ہوا ہے۔ گذشتہ سال 14 ممالک میں ایک سو ترپن مراکز تھے۔ امسال چھ کے اضافہ کے ساتھ یہ

تعداد ایک سوانسٹھ ہو گئی ہے۔ یہ تعداد پاکستان کے علاوہ ہے۔

دعوت الی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے حضور انور نے بعض دلچسپ اور ایمان افروز واقعات بیان فرمائے کہ کس طرح خدا تعالیٰ داعیین الی اللہ کو اپنی نصرت سے نوازتا ہے۔ ان کی مساعی کے نتیجہ میں ہزاروں افراد کی شمولیت جماعت کی خوش خبریاں مل رہی ہیں۔ حضور نے افریقہ کے ایک ملک کے ایک داعی الی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ صرف ایک شخص کی کوشش کے نتیجہ میں اب تک بارہ ہزار افراد جماعت احمدیہ میں شامل ہو چکے ہیں۔

ریڈیو اور ٹی وی اور اخبارات کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ امسال اس میدان میں بھی نمایاں کام ہوا ہے۔ ریڈیو میں اکتیس ممالک میں چار سو انیس پروگرام نشر ہوئے اور دو سو تریسٹھ گھنٹے وقت دیا گیا۔ ٹی وی پر تین سو انسٹھ پروگرام نشر ہوئے اور ایک سو چوراسی گھنٹے وقت دیا گیا۔ دنیا بھر کے تین سو چھیانوے اخبارات نے جماعت کی خبریں سارا سال شائع کیں۔

نصرت جہاں کے تحت ہسپتالوں اور سکولوں کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ اس وقت گیارہ ممالک میں اکتیس ہسپتال کام کر رہے ہیں۔ گذشتہ سال یہ تعداد ستائیس تھی۔ امسال چار کا اضافہ ہوا۔ یہاں حضور نے بعض دلچسپ واقعات بھی بیان فرمائے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ احمدی ڈاکٹروں کے ہاتھوں میں معجزانہ شفا رکھتا ہے۔ سکولوں کے بارے میں حضور نے فرمایا کہ اس وقت افریقہ میں سینتیس ہائر سیکنڈری سکول کام کر رہے ہیں اور چوالیس جونیر سیکنڈری سکول کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح دو سو انیس پرائمری سکول اور اٹھاون نرسری سکول کام کر رہے ہیں۔ یہ کل تعداد تین سو اٹھاون بنتی ہے۔ اس ضمن میں حضور نے بعض دلچسپ واقعات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا ذکر فرمایا۔ یوگنڈا کے ایک سکول کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ جب میں وہاں دورہ پر گیا تھا تو اس سکول کو دیکھا جس کو مخالفین نے جلا دیا تھا۔ میں نے جماعت کو کہا کہ اسے فوری تعمیر کیا جائے۔ اب وہاں سے رپورٹ ملی ہے کہ وہ سکول تعمیر ہو چکا ہے اور وہاں کے سارے مخالفین نے اپنے بچے اس سکول میں داخل کروائے ہیں۔ جب سکول جلایا گیا تھا تو طلباء کی تعداد دو سو تھی اور اب طلباء کی تعداد سات سو بیس ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماتا ہے۔

حضور انور نے پریس اینڈ پبلیکیشن کے شعبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس شعبہ میں کام کرنے والے سارے رضا کار ہیں اور شعبہ کی محنت کا اندازہ اس سے لگالیں کہ امسال چار ہزار سات سو تین خطوط اور مضامین اس شعبہ کی طرف سے دنیا بھر کے اخبارات کو لکھے گئے۔ اور ایک سو بارہ پریس ریلیز جاری کئے گئے۔ اس شعبہ کی طرف سے اب تک دنیا بھر کے اخباروں میں تین ہزار ایک سو تین خبریں شائع ہو چکی ہیں اور اس شعبہ کے تحت چونتیس ہزار تراشے محفوظ کئے گئے ہیں۔

جماعت کے اخبارات و رسائل کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ اس وقت دنیا کے پینتیس ممالک میں پچاسی اخبارات و رسائل سترہ زبانوں میں شائع ہو رہے ہیں۔ 1984ء میں یہ تعداد 46 تھی گویا کہ اس دور میں انتالیس کا اضافہ ہوا ہے۔ تراجم قرآن کریم کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ 1984ء تک یہ تعداد گیارہ تھی۔ اب یہ تعداد چوالیس ہو گئی

ہے۔ اس وقت چار زیر طبع ہیں اور چار پر آرٹ ورک کا کام ہو رہا ہے۔ اللہ نے چاہا تو اگلے جلسہ تک یہ تعداد باون ہو جائے گی۔ حضور نے فرمایا کہ اب پچاس مزید نئی زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کا پروگرام ہے اس کا میں اللہ نے چاہا تو کسی وقت اعلان کروں گا۔

سوا دو لاکھ کتب کی اشاعت

حضور نے فرمایا کہ امسال ہمارے رقیم پریس اسلام آباد سے منتخب آیات، احادیث و اقتباسات حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے علاوہ دس زبانوں میں پچاس کتب دو لاکھ پچیس ہزار کی تعداد میں شائع ہوئیں۔ اسی طرح بچوں کی چودہ کتب اب تک شائع ہو چکی ہیں جن میں سے چار کتب کے 14 زبانوں میں تراجم شائع ہو رہے ہیں۔

حضور انور نے پریس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ افریقہ کے پانچ ممالک غانا، نائیجیریا، تنزانیہ، سرالیون اور گیمبیا میں جماعت کے اپنے پریس لگائے جا چکے ہیں تین ممالک غانا، نائیجیریا اور تنزانیہ میں اپنے پریس پر کام شروع ہو گیا ہے۔ اور جماعتی رسائل اور دیگر کتب طبع ہو رہی ہیں۔

سوا آٹھ ہزار واقفین نو

وقف نو کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ اب تک واقفین نو کی کل تعداد آٹھ ہزار دو سو اکسٹھ ہو چکی ہے۔ یہ تعداد گذشتہ سال پانچ ہزار تھی۔ اس میں اضافہ (3261) تین ہزار دو سو اکسٹھ ہے۔ حضور نے فرمایا کہ آٹھ ہزار دو سو اکسٹھ میں سے پانچ ہزار نو سو چھبیس لڑکے ہیں اور لڑکیاں 2299 ہیں۔ گویا لڑکیوں کی نسبت لڑکوں کی تعداد اڑھائی گنا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ خدا تعالیٰ کی خاص تقدیر کے تحت ہوا ہے اور اس میں کسی انسان کا دخل نہیں۔

شعبہ سمعی و بصری کے بارہ میں حضور نے فرمایا کہ کام کی زیادتی کی وجہ سے امسال سے آڈیو اور وڈیو کے دونوں شعبوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا ہے اور دونوں شعبے بڑی مستعدی سے کام کر رہے ہیں اور اس میں کام کرنے والے سب رضا کار ہیں۔

قیدیوں سے رابطہ کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ میری اس تحریک پر بھی جماعت نے بڑے عمدہ طریق پر لبیک کہا ہے اور بڑا اچھا کام ہوا ہے۔ جیلوں میں شمولیت جماعت کا سلسلہ بھی جاری ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایک ملک میں چالیس قیدیوں نے جماعت احمدیہ میں شمولیت اختیار کی ہے۔

خدمت خلق

خدمت خلق کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ دنیا بھر میں جماعت اس میدان میں بھی بڑی کامیابی سے اپنا قدم

ہے دُعا اللہ کا تجھ پر رہے لُطف و کرم　　فتح و نصرت چُومتی ہر دم رہے تیرے قدم
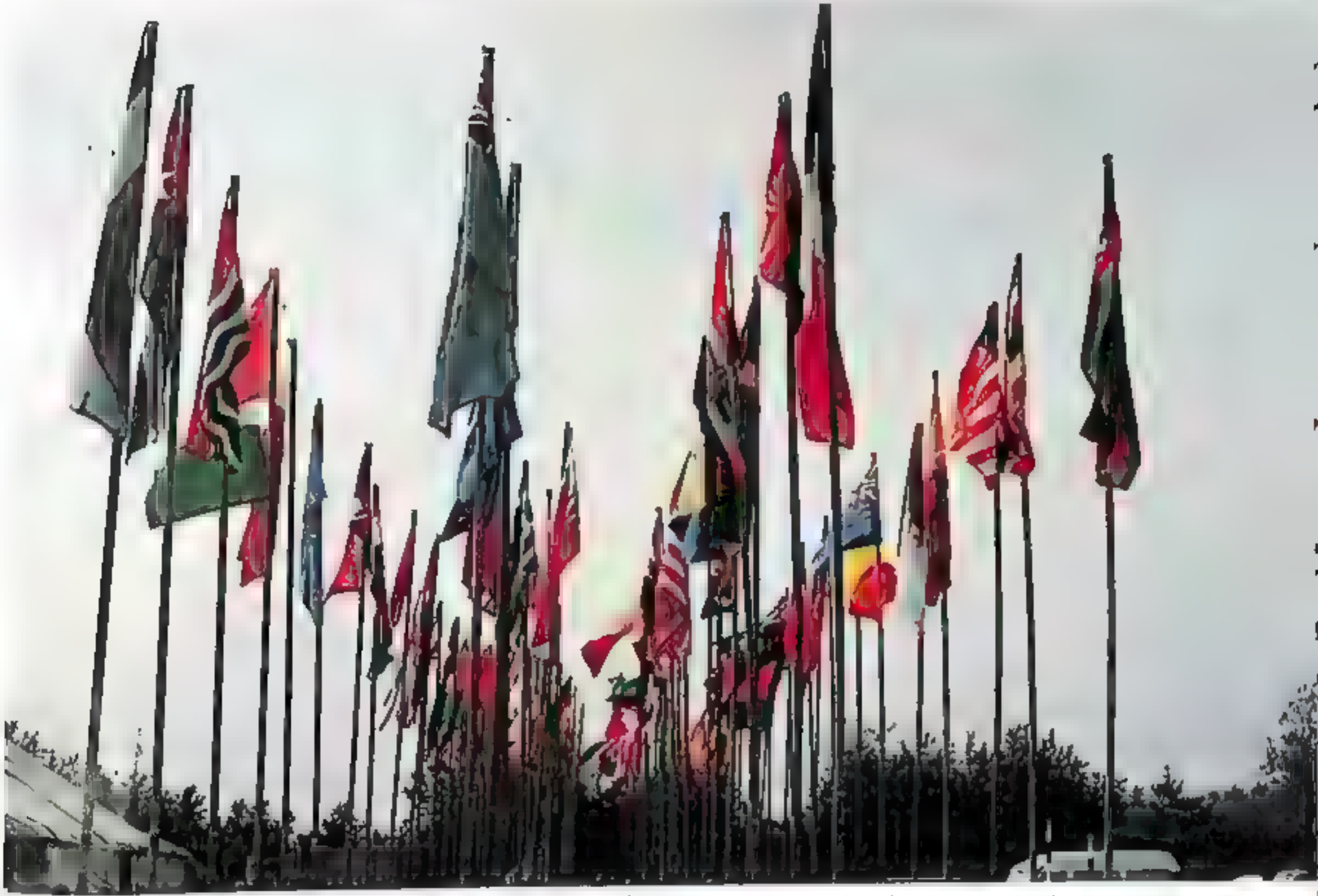
"مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" اُن خوش قسمت ممالک کے جھنڈے جہاں احمدیت قائم ہو چکی ہے

"... ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا" کا ایک ظہور (شرکائے جلسہ سالانہ برطانیہ کا ایک منظر)

خیرات کر ان کی رہائی میرے آقا
کشکول میں بھر دے جو میرے دل میں بھرا ہے

(جلسہ سالانہ برطانیہ کے تیسرے روز اختتامی خطاب کے بعد دُعا کرتے ہوئے)

جلسہ سالانہ برطانیہ (۱۹۹۱ء) میں شامل عرب وفد کے ممبران (صلحاء العرب کی نمائندگی میں)

بین الاقوامی مذہبی سکالر اور محقق جناب شیخ عبدالقادر صاحب

(دائیں سے) مکرم فضیل عیاض احمد صاحب (مدیر تشحیذ الاذہان) مکرم شیخ عبدالقادر صاحب، مکرم سید مبشر احمد صاحب ایاز (مدیر خالد)

آگے بڑھا رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ صرف گیمبیا میں امسال تیرہ ہزار تین سو ستائیس مریضوں کا مفت علاج کیا گیا ہے اور بہت سے اپریشن بھی ہوئے۔

حضور نے دنیا بھر میں ہونے والے ان کاموں کا بھی ذکر کیا جو وقار عمل سے ہوئے اور فرمایا کہ یہ ایسی خاموش مالی قربانی ہے جو دنیا کی ساری جماعتیں کر رہی ہیں۔ اگر اس خاموش مالی کی قربانی کی قیمت لگائی جائے تو جماعت کا بجٹ اربوں تک پہنچ جائے۔

50 ہزار افراد کی جماعت میں شمولیت

آخر پر حضور نے فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے ایک سو چھبیس ممالک میں جماعت احمدیہ قائم ہو چکی ہے۔ گذشتہ سال یہ تعداد ایک سو چوبیس تھی اور امسال دو ممالک کا اضافہ ہوا ہے۔

حضور نے فرمایا کہ امسال اللہ تعالیٰ کے فضل سے تینتالیس ہزار نو سو سولہ افراد شامل جماعت ہوئے ہیں۔ نیز ابھی جو شامل جماعت ہو رہے ہیں اور ریکارڈ میں نہیں آئے ان کو ملا کر یہ تعداد پچاس ہزار سے اوپر چلی جائے گی۔ اس ضمن میں حضور نے بعض ایمان افروز واقعات بھی بیان فرمائے۔ جس کے بعد حضور نے اپنے خطاب کا اختتام فرمایا۔

ہوا میں تیرے فضلوں کا منادی

اختتامی خطاب 28 جولائی۔ اتوار

فلسطینی احباب اور حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا عربی قصیدہ

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم والضالین کی پرمعارف و پرنور تفسیر

صداقت حضرت مسیح موعود..... خلفاء احمدیت، رفقاء حضرت مسیح موعود.... اور افراد جماعت احمدیہ عالمگیر پر نزول فضل الٰہی کے ایمان افروز واقعات

اسیران راہ مولا سے محبت کے لئے پیارے آقا کا تازہ دعائیہ منظوم کلام

دعوت الی اللہ کی مجلس میں ایک سو برطانوی باشندگان کی شرکت

ایک فرانسیسی دوست کی قبول احمدیت

28 جولائی کو جلسہ سالانہ برطانیہ کا اختتامی اجلاس بعد دوپہر منعقد ہوا جس کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے کیا گیا۔ جس کے بعد فلسطین سے آئے ہوئے احمدی احباب نے مل کر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا عربی قصیدہ پڑھ کر سنایا۔

آخر میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے حاضرین سے خطاب فرمایا جس میں (ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تیرا غضب نازل ہوا) کی تشریح بیان فرمائی (۔) تفصیل سے واقعات بیان کرتے ہوئے حضور انور نے ان انعامات کا تذکرہ فرمایا جو حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ پر اور آپ کے چاروں جانشینوں پر، آپ کے رفقاء پر اور تابعین پر اور افراد جماعت پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے نازل ہوئے۔ نیز یہ بھی بیان فرمایا کہ جن لوگوں نے حضرت بانی سلسلہ کا انکار کیا ان پر کس طرح اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔ اور اس کی حضور نے مثالیں دیں اور واقعات بیان فرمائے۔ رفقاء حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ میں سے حضور نے خاص طور پر مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کا ذکر فرمایا۔

خطاب کے اختتام پر مکرم عصمت اللہ صاحب نے حضرت امام جماعت احمدیہ کی ایک تازہ دردناک نظم جو اسیران راہ مولا کے بارے میں تھی خوش الحانی سے پڑھ کر سنائی۔

اس کے بعد پرسوز اجتماعی دعا کے ساتھ (جس میں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو تر نہ تھی) جلسہ کا اختتام ہوا۔ آخری اجلاس میں ساڑھے آٹھ ہزار افراد شامل تھے۔

اسی دن عشاء کی نماز کے بعد دعوت الی اللہ کی مجلس منعقد ہوئی جس میں قریباً یکصد برطانوی باشندگان شریک ہوئے جس میں سوال و جواب ہوئے۔ نیز مہمانوں کی خدمت میں رات کا کھانا پیش کیا گیا۔ حضور اس مجلس میں شریک ہوئے اور حاضرین کے سوالوں کے جوابات عنایت فرمائے۔ بعد نماز عشاء ایک فرانسیسی دوست جو ایک عرصہ سے تحقیق کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے۔

(مرتبہ: مکرم ظہیر احمد خان صاحب)

شکریہ

رسالہ خالد ہر ماہ تیاری کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا جو قارئین کے ہاتھوں تک پہنچتا ہے تو اس میں بہت سارا حصہ ان احباب کا بھی ہوتا ہے جو سامنے نہیں ہیں۔ مثلاً ضیاء الاسلام پریس کے عملہ کے ارکان، شعبہ اشاعت کے کارکنان، اسی طرح اس رسالہ کی کمپوزنگ کرنے والے اور شعبہ کمپیوٹر کے انچارج اور مہتمم صاحب اشاعت۔

خاکسار ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہے اور قارئین سے دعا کی درخواست کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین (مدیر خالد)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب

کا ایک غیر مطبوعہ خطاب

یہ خطاب حضرت چوہدری صاحب نے 11 فروری 1981ء کو راولپنڈی کے خدام الاحمدیہ کے اجتماع سے کیا تھا۔ محترم مہتمم صاحب اشاعت کے شکریہ کے ساتھ ہدیہ قارئین ہے جنہوں نے اس غیر مطبوعہ خطاب کا کیسٹ ہمیں فراہم کیا

اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے تو میری نیت یہ ہے کہ میں خاص طور پر اپنے نوجوان طبقے کو خطاب کروں۔ وقت کے لحاظ سے تفصیل کی مہلت نہیں ہوگی۔ مختصر بیان کروں گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے نوجوانان جماعت کے نام نظم کی صورت میں خطاب کیا ہوا ہے، آپ سب کو معلوم ہوگا، خاص طور پر نوجوانوں کو۔ اول تو اس کا ورد رکھیں۔ اس کے ہر شعر بلکہ ہر مصرعہ میں ہدایت کا ایک سمندر ہے۔ اسی میں آپ نے انتباہ بھی فرمایا

جب گزر جائیں گے ہم تم پہ پڑے گا سب بار
سستیاں ترک کرو طالب آرام نہ ہو

"سب بار" سے آپ کی کیا مراد تھی۔ یہی مراد تھی کہ حضرت مسیح موعود...... کی بعثت کی جو غرض ہے، اس کا پورا کرنا جب تک ہمارے اختیار میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں مہلت دے، ہم تو کرتے چلے جائیں گے۔ پھر آپ کی باری آئے گی تو یہ ساری ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے۔ یعنی نوجوانوں پر۔ حضرت مسیح موعود...... کی بعثت کا مقصد (دین حق) کا غلبہ دوسرے ادیان پر ثابت کرنا تھا۔ یہ ذمہ داری ہے جسے ہمارے نوجوانوں نے ابھی سے اپنے کندھوں پر لینا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ انہیں اس دنیا میں مہلت عطا کرے، اس ذمہ داری کو آخری حد تک ادا کرتے چلے جانا ہے۔ یہ ہے پہلی بات اور اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ ہماری زندگی کا مقصد یہی ہے باقی سب چیزیں اس کے تابع ہیں۔ ان کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ لاالہ الااللہ، اللہ اکبر۔

میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا یا یہ کہ میں اللہ کی رضا کا حصول ہر بات میں اپنا مقصود ٹھہراؤں گا۔

کسی طور پر بھی کہا جائے مطلب اس کا یہیں آتا ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم علم اور عمل دونوں کے لحاظ سے اس مقصد کے حصول کے لئے تیاری بھی کریں اور ساتھ ساتھ اس کے حصول کے لئے کوشش بھی کرتے چلے جائیں اور عمل میں ظاہر اور باطن دونوں کی طرف توجہ کرنی ہوگی اور علم کے لحاظ سے جو کم سے کم علم ضروری ہے، جس کے بغیر انسان مومن نہیں کہلا سکتا جس کے بغیر انسان کی عبادت، عبادت نہیں کہلا سکتی وہ یہ ہے قرآن کریم کا (کم سے کم قرآن کریم کا ترجمہ آتا ہو۔) ترجمہ آتا ہو اور نماز میں جو دعائیں کی جائیں ان کا مفہوم ذہن میں پورے طور پر موجود ہو اور جب اللہ تعالیٰ کے سامنے التجا کی جائے تو جانتا ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور اس کے نتیجے میں ساتھ دل میں درد پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گ

گڑگڑائے۔ جو شخص ان دعاؤں کا جو مسنون ہیں مثلاً سورۃ فاتحہ تو ہر رکعت میں لازمی ہے اور، اور بھی قرآن کریم دعائیں ہیں۔ بعض مسنون دعائیں ہیں۔ ان کو لفظاً تو ادا کرتا ہے لیکن اس کے معنے نہیں جانتا تو اس کی نماز کیا ہوئی۔ اس کی نماز تو وہی صورت ہے کہ میں نے سنا ہوا ہے کہ تبت میں یہ طریقہ ہے عبادت کا کہ اپنی دعاؤں کو یا جو بھی مناجات کرنی ہو، وہ لکھ کر ایک کاغذ پر ایک فانوس کے گرد چپکا دیتے ہیں اور اس کو چرخے کے طور پر گھماتے رہتے ہیں اور وہی ان کی دعا ہوتی ہے۔ تو وہی صورت ان لوگوں کی ہے جو نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ منہ سے الفاظ نماز کے ادا کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ ایک اور ضمن میں قرآن کریم نے بھی اس طرف توجہ دلائی ہے۔ قرآن کریم میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ بعض احکام ایک چیز کو سامنے رکھ کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ان احکام کے اندر بہت بڑی وسعت ہوتی ہے تو نماز میں کھڑے ہونے کے متعلق آیا ہے کہ:

حتی تعلموا ما تقولون

کہ نماز میں ایسے طور پر اور ایسی حالت میں کھڑے ہو کہ تمہیں معلوم ہو ہم کیا کہہ رہے ہیں اگر یہ نہیں ہوگا تو نہ نماز میں رقت پیدا ہوگی، نہ توجہ ہوگی، نہ گڑگڑائے گا، نہ خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز کو مدنظر رکھتے ہوئے آستانہ الہی پر گرے گا جیسا حق ہے عبادت کا۔ تو سب سے پہلے جو کم سے کم علم ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ آتا ہو اور جیسے جیسے پھر آگے غور کرے گا، اس کا علم اللہ تعالیٰ بڑھاتا چلا جائے گا اور ان مسنون دعاؤں کا ترجمہ آتا ہو جو خواہ نماز میں کریں یا دوسرے اوقات میں کریں۔ اس کے بغیر یہ دعویٰ غلط ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس قوم کے سپاہی ہیں جس کے ذریعے (دین حق) کا دوسرے ادیان پر غلبہ ہونا اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے۔

قرآن کریم پڑھنے کا ایک گر

قرآن کریم کے پڑھنے کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے ایک گر بتایا ہوا ہے جو نہایت مفید ہے وہ یہ ہے کہ پہلی بار تو ترجمہ پڑھتا چلا جائے اور آہستہ آہستہ پڑھے، غور کرے خواہ دو تین آیات ہی ایک دن میں پڑھے۔ پندرہ منٹ ہی اس کو ملیں لیکن پڑھے بالتواتر۔ اس میں ناغہ نہ ہو۔ تو جب پڑھے تو جہاں کہیں حکم قرآن کریم میں کوئی پڑھے کہ آیا اس حکم پر میں عمل کر رہا ہوں کہ نہیں اور جہاں کہیں "نہی" آئے جس سے اللہ نے منع کیا ہے تو اپنا محاسبہ کرے کہ آیا میں اس کا مرتکب تو نہیں ہوں اور جہاں تک اس محاسبہ میں اس کو کمی نظر آئے کہ کسی حکم کے فرمان کی تابعداری میں کمی ہے یا سستی ہے اس کمی کو پورا کرنے، اس سستی کو رفع کرنے کی طرف توجہ کرے اور جہاں یہ ہو کہ بعض مناہی جو ہیں ان میں غفلت کی وجہ سے یا لاعلمی کی وجہ سے یا نفس کے کسی فریب اور دھوکے کی وجہ سے مبتلا ہے یا ہو جاتا ہے تو آئندہ عہد کرے اور دعا کرے کہ اس غفلت سے، اس سستی سے، اس نافرمانی سے اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے۔ تو فرمایا کہ پہلی بار تو اس طور پر پڑھے۔ دوسری بار اپنے اہل کو سنائے، جن کے بیوی بچے ہیں ان کو سنائے، جن کے بیوی بچے نہیں ہیں وہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو ساتھ ملالیں اور ان کو پڑھائیں۔ اور تیسری بار عام طور پر قرآن کریم کی تعلیم دے۔ اس سے قرآن کریم کا علم بھی بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ ذہن میں جلا پیدا کرے گا۔ قرآن کریم کی بے انتہا حکمتوں اور فلسفے پر آگاہی دیتا چلا جائے گا، اور بڑھاتا چلا جائے گا تو پھر یہ بھی ہے کہ جہاں کہیں یہ انتظام ہو کہ کوئی درس قرآن کریم کا ہوتا ہو یا انفرادی طور پر کسی

عالم دین سے موقعہ ہو قرآن کریم کے سیکھنے کا تو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائے تو یہ کم سے کم علمی تیاری ہے جو کرنی چاہیئے۔ تو پھر آگے ہے اللہ تعالیٰ توفیق دے تو پھر حضرت مسیح موعود...... کی کتب میں جو قرآن کریم کی ہی تفسیر ہیں شروع سے لے کر آخر تک۔ اس قدر ان میں تفسیر ہے قرآن کریم کی حکمتوں کی اور فلسفے کی کہ آپ کو معلوم ہے چار پانچ جلدیں اس تفسیر کی اردو میں شائع ہو چکی ہیں (اب خدا کے فضل سے آٹھ جلدوں میں لکھی شائع ہو چکی ہے۔ مدیر خالد) جن کو آپ کی تحریروں یا تقریروں سے اخذ کیا گیا ہے۔ آپ نے کوئی تفسیر، تفسیر کے طور پر نہیں لکھی لیکن آپ کی تحریروں میں بہت جگہ قرآن کریم کی آیات کی تفسیر آتی ہے۔ ان میں سے انگریزی ترجمہ بھی جتنی چھپی ہیں ان کا ہو چکا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے ارشاد فرمایا ہے کہ سورۃ الحمد کی تفسیر کا انگریزی ترجمہ بھی اس سال میں شائع ہونا چاہیئے اور اس کا حجم ٹائپ 360 صفحے کا ہے اور سورۃ الحمد کی جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کل سات آیات ہیں اور وہ خزانہ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس میں سب کچھ آ گیا ہے۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا اس کے محاسن اور نظر آتے چلے جائیں گے۔ تو قرآن کریم میں تو ایک لاانتہا سمندر ہے اللہ تعالیٰ کے علوم کا، حکمت کا، فلسفے کا، اس کی عنایات کا، اس کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے ذرائع کا اور اسی کے ذریعے اسلام کی دوسرے ادیان پر برتری ثابت ہونی چاہیئے۔ یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں جمعہ کے خطبے میں کہ اسلام کا غلبہ اس زمانہ میں ہوگا۔ غلبہ کے لفظ سے کوئی غلط فہمی نہیں پیدا ہونی چاہیئے۔ غلبے کے لفظ سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں کی حکومتیں دوسرے لوگوں پر ہو جائیں گی اور وہ دوسرے لوگوں پر غالب آ کر ان پر حکومت کریں گے کیونکہ قرآن کریم میں خود الفاظ یہ ہیں کہ

لیظھرہ علی الدین کلہ

تمام دینوں پر اس کی برتری ثابت ہو۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ تمام انسانوں کی عقل اور فہم کو اللہ تعالیٰ روشنی بخشے اور وہ قرآن کریم کی ہدایت اور علوم اور فلسفے پر حاوی ہو کر قرآن کریم پر ایمان لا کر اس کو اپنی زندگی کا شعار بنائیں اور یہ ہوگا تب جب اس قرآن کریم کو سکھانے والے علمی طور پر بھی سکھا سکیں اور بتا سکیں اور اس پر عمل کر کے نمونہ قائم کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے فعل کو پیش کرو اور خود نمونہ بنو۔ میں نے کئی دفعہ مثال کے طور سمجھایا ہے دوستوں کو کہ دیکھو تبلیغ میں بے شک مسائل کی حقیقی مخلصانہ طور پر جو متلاشی حق ہو، اس کو مسائل بھی سمجھانے ہوں تو مسائل بھی سمجھاؤ لیکن زیادہ تر اللہ تعالیٰ کے فعل کو پیش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے فعل کے مسئلے میں تو بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ چودہ سو سال سے شیعہ اور سنی کا مسائل میں فیصلہ ہی نہیں ہو سکا تو اللہ تعالیٰ کے فعل کو پیش کرو اور نمونہ بنو کہ نمونے کو دیکھ کر لوگ یہ معلوم کریں کہ یہ حقیقی اسلام ہے اس پر ہمیں چلنا چاہیئے۔ ہمارے ایک سب سے پہلے نارویجین (NORVIGIAN) احمدی ہوئے، نور احمد دول شٹاٹ ان کا نام ہے۔ اس وقت وہ سکول میں پڑھتے تھے۔ پھر کالج میں پڑھے، یونیورسٹی میں پڑھے، پھر ٹیچر ہوئے۔ اب میں نے سنا ہے کہ پانچ یا چھ اور بھی نارویجیئز کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے وہ بھی سلسلے میں شامل ہو گئے ہیں۔ لیکن بڑی مدت تک اکیلے نارویجیئز میں سے وہی تھے۔ بلکہ ایک دفعہ انہوں نے مجھے لکھا کہ میں بعض دفعہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ تو یہ اسلام کی نعمت کو میری بجائے کسی اور کو دے دیتا۔ جس کی بات میں اثر ہوتا یا جس کا عمل نمونہ بنتا تاکہ اس کے ذریعے سے اور لوگ بھی ہدایت پاتے۔ تو میں نے انہیں لکھا کہ اس دعا کی کیوں ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ یہ دعا کرو کہ

تمہارے نمونے میں اور تمہاری زبان میں اثر ڈالے اور تمہارے ساتھ اوروں کو ملائے۔ مومن تو اکیلا نہیں رہتا۔ جب انہوں نے شادی کی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم مجھے کوئی ایسا گر بتاؤ کہ میری بیوی مسلمان ہو جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ سب سے بہتر اور موثر گر تو یہ ہے کہ تمہارا سلوک اس کے ساتھ ایسا ہو کہ دن بدن اس کا یقین ہو اور بڑھتا چلا جائے کہ تمہارے پاس کوئی ایسی دولت ہے جو اس کو حاصل نہیں۔ وہ تمہارے پیچھے پڑے کہ مجھے بھی سمجھاؤ۔ چنانچہ اس کے دو سال بعد حضرت خلیفۃ المسیح تشریف لے گئے کوپن ہیگن وہاں کی مسجد کے افتتاح کے لئے تو وہاں سے جب لندن تشریف لائے تو گو میں اس وقت ہیگ کی عدالت کا رکن تھا لیکن اتفاق سے میں لندن میں ہی موجود تھا۔ میں بھی آپ کی پیشوائی و استقبال کے لئے مطار پر گیا ہوا تھا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایک پیغام لایا ہوں کہ نور احمد ودل شٹاٹ اور اس کی بیوی کوپن ہیگن آئے اور مجھ سے ملے۔ بہت سا وقت تو چونکہ جذبات کی وجہ سے وہ بات بھی نہیں کر سکے تھے اسی نے لے لیا لیکن بہر صورت اس کی بیوی نے بیعت کی اور اس نے کہا کہ ظفر اللہ خان کو میرا یہ پیغام دے دینا کہ تمہارا نسخہ کارگر ہو گیا ہے۔ تو اصل تو یہی ہے۔ میں یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ دیکھو تبلیغ تو تب موثر ہو گی جب ہم سے اگر کوئی شخص کہے جس کو ہم تبلیغ کر رہے ہوں کہ میاں تم نے بہتیرا مجھے سمجھایا اور عقائد اور مسائل بھی دیکھے اور سب کچھ کیا لیکن ایک بات مجھے بتاؤ کہ اگر میں تمہارے ساتھ شامل ہو جاؤں جماعت میں اور ساری دنیا کی مخالفت سہیڑلوں اور رشتہ دار بھی میرے ساتھ قطع تعلق کرلیں اور دنیا میں بھی میرے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں تو مجھے حاصل کیا ہو گا اس کے بدلے میں۔ تو اگر جس کو یہ سوال کیا جائے تو دیانت داری سے یہ جواب سکے اور جواب سننے والے کے لئے پوری تشفی کا موجب ہو کہ اگر تم ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ گے تو تم میرے جیسے بن جاؤ گے۔ اگر یہ نہیں کہہ سکتا تو زبانی بحث سے مقصد حاصل نہیں ہو گا۔ تو ہمیں عملی نمونہ بنانا ہے۔ جب تک عملی نمونہ نہیں بنیں گے وہ ہمارا قول ہو گا فعل نہیں ہو گا اور قرآن کریم میں آتا ہے کہ

یا ایھا الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون.

کبر مقتاً عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون

وہ بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں۔ سخت ناراضگی کا موجب اللہ تعالیٰ کا کہ تم کہو اور کرو نہیں۔ جو کہتا ہے اور کرتا نہیں وہ تو مومن نہیں وہ تو منافق ہے۔ تو منافق کے متعلق تو قرآن کریم میں آتا ہے

انّ المنافقین فی الدرک الاسفل من النار

یعنی منکر سے بھی نیچے ہے منافق۔ تو ہمیں ہر وقت یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہمارا عمل ہمارے قول کے مطابق ہو۔ تو اس عمل میں جیسا کہ میں نے کہا ہے دو صورتیں ہیں ظاہری بھی اور باطنی بھی۔ تو باطنی تو یہی ہے کہ عبادات میں اسکو رغبت ہو۔ جیسے میں نے کہا ہے جانتا ہو کیا کہتا ہے یا یہ کہ بہت احتیاط کرے کہ نماز وقت پر پڑھی جائے اور نماز کے پورے حقوق قائم کیا جائیں۔ قرآن کریم میں ہر جگہ

و اقاموا الصلوۃ

آتا ہے۔ نماز کو کھڑا کرنا۔ نماز کو قائم کرنا۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ انسان کی غفلت یا سستی یا بے توجہی کی وجہ سے نماز گرتی رہتی ہے تو نماز کو کھڑا رکھے۔ توجہ ہو پوری اس کی طرف، دھیان ہو۔ خیال ادھر ادھر نہ جائیں اور یہ عجیب بات ہے۔ کم سے

کم میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ خیال جو یوں کبھی سامنے نہیں آتا، نماز کے لئے کھڑے ہوجاؤ آنا شروع ہوجائے گا تو بجائے اس کے کہ پوری توجہ نماز کی طرف ہو ہر چھوٹی بڑی بات کی طرف توجہ بکھرنی شروع ہوجاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے انسان توفیق طلب کرے تو وہ اتنی توجہ دے دیتا ہے کہ انسان کی توجہ اسی طرف لگی رہے۔ اس کے کئی گر بھی ہیں۔ آہستہ آہستہ پڑھے، لفظ پر زور ہو۔ اس کے معنوں کی طرف توجہ ہو تا کہ دوسری باتیں سامنے نہ آئیں۔ اور بھی ہیں۔ تو پہلی تو یہی ہے کہ عمل کے لحاظ سے عبادات میں، اور عبادات کی غرض خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہو۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ نماز اور دعا ہے اور پھر دوسری عبادات ہیں، ان کے بھی فوائد ہیں۔ رمضان کو اس طور پر روزے رکھے کہ وہ سمجھ لے کہ میں خدا تعالیٰ کی اس فوج کا جس نے اسلام کی برتری قائم کرنی ہے ایک سپاہی ہوں اور جیسے سپاہیوں کو قوائد کی پابندی کروائی جاتی ہے ان کے فرائض کی ادائیگی کے متعلق۔ رمضان کا مہینہ ہمارے لئے قوائد کرنے کا مہینہ ہے۔ تو اس قوائد کو اس طور پر کیا جائے کہ باقی سارے گیارہ مہینے جو اگلے رمضان تک آنے والے ہیں اس میں اس رمضان کی قوائد کی ہوئی کا ہر وقت فائدہ پہنچتا رہے اور پوری توجہ ہو اللہ تعالیٰ کی طرف عبادات میں۔ قرآن کریم کو زیادہ توجہ سے پڑھنا اور بھی رمضان کے جو فوائد ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اور عبادات کے تو اور بھی اجر ہیں رمضان کا اجر میں ہوں۔ تو کتنا بڑا اجر اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اس پر ایک حدیث مجھے یاد آگئی وہ بھی اس لئے جب مجھے یاد آتی ہے تو میری طبیعت میں عجب لذت اور رقت پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں جب میں پڑھ رہا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جنت کے کئی دروازے ہیں۔ بعض لوگ نماز کے دروازے سے داخل ہوں گے۔ بعض روزے کے دروازے سے داخل ہوں گے۔ بعض جہاد کے دروازے سے داخل ہوں گے۔ کئی دروازے آپؐ نے فرمائے۔ تو اس پر حضرت ابو بکرؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ کوئی شخص ایسا بھی ہوگا جو سب دروازوں سے بلایا جائے گا۔ تو عین اس وقت میرے ذہن میں آیا کہ حضرت ابو بکرؓ ایسے شخص تھے۔ چنانچہ آگے حدیث میں یہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں ایسے بھی ہوں گے اور تم انہی میں سے ہو جن کو ہر دروازے سے بلایا جائے گا۔ تو کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہر دروازے سے اپنی جنت کی طرف بلائے۔ اپنی رضاء کی طرف بلائے تب جا کے انسان مومن کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ تب اس کا نمونہ دوسروں کے لئے مؤثر ہوسکتا ہے۔

نمونہ ایسا قائم ہونا چاہیئے کہ جھوٹ کے قریب نہ جائے۔ جھوٹی گواہی نہ دے۔ کسی کے کہنے پر خوامخواہ کسی ناجائز بات میں حصہ نہ لے۔ کسی کی رضا کی خاطر قدم نہ ڈگمگائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا ہر بات پر مقدم ہو۔ ایک وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کا نمونہ ایسا تھا کہ مخالف بھی کہتے تھے کہ احمدی جھوٹ نہیں بولتا۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ اب وہ معیار قائم نہیں۔ کثرت میں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس کے فضل سے توفیق ملتی ہے لیکن ہر ایک کے متعلق نہیں کہا جاسکتا اور بعض دفعہ اگر جھوٹ نہیں تو مروڑ کر بات کرلیتے ہیں حالانکہ قرآن کریم میں حکم یہی نہیں کہ سچ بولو۔ قرآن کریم میں حکم ہے کہ

قولوا قولاً سدیداً

ایسی بات کہو جس کے اندر کوئی پیچ نہ ہو۔ کہ کہو بات اور اور تمہارے ذہن میں ہو کہ سننے والا اس کا یہ مطلب لے گا اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں ہو کہ وقت آنے پر میں کہوں گا نہیں اس کا یہ مطلب نہیں، یہ مطلب ہے تو وہ بات پیچ والی بات ہے۔ ہمارے (میں نام نہیں لیتا) ہندوستان کے ایک بہت بڑے سیاسی لیڈر کو یہ بڑی عادت تھی کہ وہ ایسے لفظ استعمال کرتے تھے کہ جس سے وہ جانتے تھے کہ سننے والا یہ مراد لے گا اور ان کی وہ مراد نہیں ہوا کرتی تھی۔ وقت آنے پر وہ کچھ اور مراد اس سے لے لیا کرتے تھے۔ تو ہمارا یہ معیار نہیں کہ صرف لفظاً سچ کہے بلکہ یہ کہ معناً بھی سچ ہو اور اس میں کوئی پیچ نہ ہو۔

قولوا قولاً سدیداً

قول سدید پر قائم ہو اسی طرح اور ہر بات میں، لین دین میں، سودا سلف کرنے میں، ہر ایک بات میں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور بات پر ایسا زور دیا ہے کہ اس کی طرف اچھے خاصے مومنوں کی بھی توجہ نہیں ہوتی

و هم عن اللغو معرضون

مومن کی یہ نشانی ہونی چاہیئے اور یہ کردار ہونا چاہیئے کہ بے فائدہ بات کے پیچھے نہیں پڑے۔ کئی دفعہ کسی بات سے جب منع کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ جی اس میں حرج کیا ہے۔ یہ ایک بڑا زہریلا اصول ہے۔ اصول تو ہے ہی نہیں۔ اول بہت زہریلی بات ہے، فریب والی بات ہے کہ جس بات میں کوئی حرج نہیں وہ کرلی جائے۔ جس بات میں کوئی نفع نہیں اس میں حرج تو لازم ہے۔ زندگی جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے وہ اس کا وقت صرف کرنے گا۔ فکر، ذہن جو اللہ تعالیٰ نے عطا کئے ہیں۔ اس کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں۔ وہ خرچ کرے گا اور صرف یہ کہ جی اس میں کوئی حرج نہیں۔ وہ ضائع ہوئے کہ نہیں ہوئے۔ وہ نقصان ہوا کہ نہیں ہوا۔ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی کسی نفسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے وہ کام وہ کرتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ عذر کر دیتے ہیں کہ جی اس میں حرج کوئی نہیں۔ بات وہ کرنی ہے جس میں فائدہ ہے۔ جس میں فائدہ نہیں اس سے منع کیا گیا ہے۔

و هم عن اللغو معرضون

سورۃ مومنون کے شروع میں ہی جن باتوں پر زیادہ زور دیا ہے ان میں یہ بھی ہے بلکہ دوسری یا تیسری بات یہی ہے۔

و هم عن اللغو معرضون

نوجوان بھی اور دوسرے بھی اپنا بہت سا مال بہت سا وقت بہت سا ذہن ان باتوں میں اب صرف کرنے لگ گئے ہیں جن کا فائدہ کوئی نہیں اور نقصان ہے۔ یہ بچوں والی کھیلیں ہیں ہم بچے نہیں ہیں۔

ہمارا تو جو عمر میں بچہ ہے وہ بھی بچہ نہیں

ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک فہم عطا کیا ہے۔ اس نے بڑے ہو کر بڑی بڑی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں۔ بے شک عمر کے لحاظ سے ان کو تفریح کے لئے یا ورزش کے لئے جیسی ضرورت ہے ان کی صحت کے لئے بھی ضروری

ہے۔ ان کی تربیت کا حصہ ہے لیکن ان کو یہ عادت نہیں کبھی پڑنے دینی چاہیئے کہ وہ لغو باتوں کے پیچھے پڑ جائیں۔

ٹیلی ویژن اور اس کا استعمال

مثلاً یہی ٹیلی ویژن ہے۔ میں نے عرصہ ہوا لاہور میں جب ابھی ٹیلی ویژن نہیں آیا تھا لیکن اس کا انتظام ہو رہا تھا تو میں نے کہا دیکھو ایک اور مصیبت آنے والی ہے۔ اس سے متنبہ رہو۔ ٹیلی ویژن یا ریڈیو یا اور ایسی چیزیں یہ اپنی ذات میں تو بری نہیں۔ کیونکہ یہ علم ہے اور علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا صحیح استعمال نہیں کیا جائے گا۔

لئن شکرتم لازید نکم

صحیح استعمال کرو گے تو بڑھتا چلا جائے گا۔

ولئن کفرتم ان عذابی لشدید

اس کا غلط استعمال کرو گے یا غفلت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت بڑی سخت ہے۔ تو یہ ٹیلی ویژن علم ہے اس کا صحیح استعمال اگر کیا جائے۔ مثلاً صحیح استعمال یہ ہے کہ امریکہ کی بعض یونیورسٹیوں اور کالجوں میں (CLOSE CIRCUT) اس کو کہتے ہیں۔ ٹیلی ویژن میں ہر ایک علم کے بڑے بڑے ماہرین اور پروفیسروں کے لیکچر لے کر وہ اس میں جمع کر لئے جاتے ہیں اور وہ پھر دکھا دیئے جاتے ہیں۔ جماعتوں کو اور اس کے نتیجے میں وہ کہتے ہیں کہ 50/ سے لے کر 100/ فی صد تک فرق پڑ جاتا ہے۔ ان لوگوں میں جو اس ٹیلی ویژن سیریل سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جو عام لیکچرز وغیرہ اٹنڈ کرتے ہیں۔ اب یہ تو ہے اس کا صحیح اور مفید استعمال۔ اور باقی یہ کہ رنگ رلیاں ہو رہی ہیں، گیت آ رہے ہیں اور یہ ہو رہا ہے وہ ہو رہا ہے۔ یہ ہے اس کا لغو استعمال اور زیادہ تر لوگ ادھر پڑ جاتے ہیں۔ جب میں نے کہا کہ میں نے وہاں لیکچر دیا اور میں نے کہا یہ مصیبت آنے والی ہے اس سے آگاہ رہیں تو اس کے بعد مجھے چند نوجوان صحافی وہاں ملے وہ میرے ارد گرد آ گئے تو انہوں نے کہا کہ فرض کیجئے کہ پروگرام ایسا ہو کہ 90/ فی صد اس میں وہ باتیں ہیں جو آپ کہتے ہیں۔ مفید باتیں ہیں۔ مثلاً ہمارا ملک ہے، اس میں ابھی تک ILLTRACY جس کو کہتے ہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا کی بڑی کثرت ہے اس کو مٹانے کے لئے خاص کر گاؤں میں ٹیلی ویژن بڑی مدد دے سکتا ہے کیونکہ آنکھ سے دیکھنے سے جو اثر ہوتا ہے وہ سننے سے میں سمجھتا ہوں نہیں ہوتا۔ مجھے اس کا تجربہ بھی ہے۔ وقت کم ہے ورنہ میں وہ بھی مثالیں پیش کرتا۔ تو وہ صحیح استعمال بھی ہے۔ لیکن یہ کہ ٹیلی ویژن بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ لغو باتوں کا پرہیز نہیں ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ 90 فی صد پروگرام تو وہ ہوں جس کو آپ مفید سمجھتے ہیں اور 10 فی صدی ایسا بھی ہو ذرا کچھ دل بہلانے کے لئے، یہ کرنے کے لئے وہ کرنے کے لئے، تو آپ سمجھتے ہیں پھر بھی مضر ہے۔ میں نے کہا پھر بھی مضر ہے کہ 5 فی صد ہو۔ میں نے کہا آدھ فی صدی ہو تب بھی مضر ہے۔ کہنے لگے یہ تو بڑی سختی ہے۔ میں نے کہا کیوں سختی ہے۔ کہنے لگے آپ اتنی بھی اجازت نہیں دیتے۔ میں نے کہا میں تو نہیں کہتا یہ تو فطرت کہتی ہے یا اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ میں کون ہوں جس نے یہ قانون بنایا۔ لیکن ایک بات مجھے بتاؤ میں نے کہا ایک

گلاس دودھ کا تمہیں دیا جائے اور اس میں ایک قطرہ پیشاب ڈال دیا جائے، پی لو گے؟ کہنے لگے نہیں نہیں استغفر اللہ! تو میں نے کہا وہی بات ہے۔ اس کے ساتھ جو گند آجاتا ہے اور وہ جو کوئی اس کا نفع ہو سارے نفع کو بھی کھا جاتا ہے، اور نقصان پہنچاتا ہے۔ تو میں یہ تو نہیں کہتا کہ گھروں میں ٹیلی ویژن نہ رکھو۔ میں نہیں رکھتا لیکن میں آپ سے نہیں کہتا کہ نہ رکھو لیکن اگر رکھو تو دو بڑی احتیاطیں اس کے متعلق کرو۔ ایک یہ کہ بچوں کو خواہ مخواہ اس میں وقت ضائع مت کرنے دو اور دوسرے یہ کہ اس پر اتنا قابو رکھو کہ پروگرام دیکھنے کے لائق ہے اور اس سے فائدہ ہوتا ہے یا اخلاقی یا روحانی یا دنیاوی بھی۔ بعض اسباق ایسے ہوں، مضامین ہوں جن سے تمہارا فائدہ ثابت ہوتا ہو اس کو دیکھو دوسرے کو نہ دیکھو۔ یہ ہے بڑے عزم کی بات۔ اگر کر سکتے ہو تو رکھ لو اگر نہیں کر سکتے تو مت رکھو۔ بڑے خطرے کی بات ہے۔ مال کا بھی ضیاع ہے اور وقت کا بھی ضیاع ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بھی موجب ہے۔

میرے ایک بھتیجے کا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی حکمت ہے کہ بچپن سے ہی وہ سن نہیں سکتا اور چونکہ سن نہیں سکتا بول بھی نہیں سکتا تو اس کی عمر پانچ چھ سال کی ہوگئی جب مجھے علم ہوا اس بات کا تو میں اس کو انگلستان بلا کے وہاں انتظام کیا کہ DUF AND DUMB سکول میں اس کو داخل کر دیا۔ لیکن جب وہ پہلے آیا تو تھوڑی دیر کے لئے اس کو عزیز کے ہاں میں نے رکھا کہ یہاں کی وہ کھانے پینے کی طرز وغیرہ سے واقف ہو جائے کیونکہ بچہ ہے۔ بالکل نیا نیا آیا ہے۔ سکول میں جائے گا تو ہر چیز بالکل مختلف ہوگی۔ تو اس وقت جب وہ اس عزیز کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا تو مجھے اور امام رفیق صاحب کو انہوں نے کھانے پر بلایا۔ ہم دونوں گئے تو کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا تو میں داخل ہو کر مسکرایا۔ بات تو وہ سن نہیں سکتا تھا تو اس نے میری طرف غصے سے دیکھا تو میں نے اس سے جن کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا میں نے اس سے کہا کہ کیا ہے میں نے کہ اتنا خفا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا جی یہ ٹیلی ویژن دیکھ رہا تھا آپ درمیان میں آگئے اس کے۔ تو اب وہ تو اس بیچارے کو تو اور کوئی طریقہ اس کی طبیعت کی فرحت کے لئے تھا نہیں۔ وہ تو بیٹھا ہوا تھا لیکن اثر اتنا ہوتا ہے اس میں توجہ اتنی لگ جاتی ہے کہ اگر اچھی بات ہو تب بھی اس کا اثر سننے والی بات سے بہتر ہوتا ہے جیسے میں نے بتایا کہ CLOSED CIRCUT UNIVERSITY میں ہوتا ہے اور بے فائدہ بات ہو تو وہ بھی اثر کرتی ہے۔ وہ وقت ضائع ہوتا ہے۔

پیچھے ریڈرز ڈائجسٹ میں چھپا تھا کہ ایک باپ نے کسی دوسرے باپ سے کہا کہ میرے بچوں کے گریڈز سکولوں میں تو اچھے نہیں ہو رہے۔ بہتیری کوشش کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ تمہاری کوشش تب کارگر ہوگی۔ کہنے لگے کیا ہے؟ کہ ٹیلی ویژن گھر سے نکال دو۔ تب تمہاری کوشش کامیاب ہونا شروع ہو جائے گی۔ تو ان سب باتوں کی احتیاط کرنی چاہیئے۔

مومن کا ہر پیسہ اور ہر لحظہ قیمتی ہے

اور جب تک ہر پیسے سے اور ہر لحظہ سے جتنا زیادہ سے زیادہ نفع، اخلاقی اور روحانی نکال سکتا ہے نہ نکالے تو اس کو

نقصان ہورہا ہے تو اس بات کی احتیاط کرنی چاہیئے۔ پھر جو باطنی باتیں ہیں کچھ تو میں نے بیان کردی ہیں۔ وقت کچھ میرے جانے کا بھی ہورہا ہے۔ میں کچھ ظاہری باتوں کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اول تو جب بتایا جاتا ہے، کچھ نصیحت کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ جی یہ تو ظاہری بات ہے۔ ظاہر میں کیا پڑا ہوا ہے۔ لیکن جو شخص ظاہر میں پابندی نہیں کرسکتا اس سے یہ توقع کہ وہ باطن میں بڑی پابندی کرے گا۔ یہ ایک فریب کی بات ہے۔ صوفیاء میں سے بعض ایسے گزرے ہیں جو بلند درجہ کے صوفیاء ہیں وہ نہیں یہ جو بنے بنائے صوفی ہوتے ہیں۔ کہ جی نماز تو دل کی ہوتی ہے یہ اوٹھک بیٹھک کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو ایسا کہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اوٹھک بیٹھک کی ضرورت تھی اور اسے نہیں ہے۔ گویا محمد رسول اللہ کا باطن اتنا منور نہیں تھا جتنا اس شخص کا منور ہے جو بغیر نماز پڑھنے والا ہے۔ تو اس قسم کی لغو باتیں رائج پا جاتی ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ایک فارمولا ہے۔ یہ ایک باطن ہے، باطن کے لحاظ سے کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اس بات سے تعلق نہیں رکھتی۔ ایک عجیب بے ہودہ مسئلے کے متعلق مودودی صاحب نے ایک فارمولا بنالیا۔ بس اس کو لے کر لوگ بیٹھ گئے ہیں کہ جی مرتد کی سزا قتل ہے۔ جس مذہب میں اس مذہب پر ایمان نہ رہے تو اس پر ایمان نہ رہنے کے اظہار کرنے پر کوئی سزا بھی ملتی ہے، خواہ کم سے کم وہ مذہب ہی جھوٹا ہے۔ ہرگز سچا نہیں۔ مجھے ایک ایمسٹرڈیم کے پروفیسر تھے۔ مسلمان ہوگئے تھے۔ جب میں ہیگ میں ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے تو قرآن کی اس آیت نے مسلمان کیا تھا کہ

لا اکراہ فی الدین

تو مودودی صاحب نے یہ اپنا فتویٰ بنالیا کہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے تو جبر جائز نہیں۔ لیکن اسلام سے نکل جانے کی اجازت نہیں۔ وہ بھی جبر ہی ہوا۔ وہ کیا ہوا۔ تو فارمولا انہوں نے یہ بتایا کہ یہ دروازہ اندر کی طرف کھلتا ہے۔ باہر کی طرف نہیں کھلتا بس اس کو لے کر لوگ بیٹھ گئے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے بڑے واضح طور پر کہا ہے کہ ضمیر پر جبر ہو نہیں ہوسکتا۔ اس لئے جبر ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ آپ جبر کرکے کسی کے منہ سے کہلوا تو سکتے ہیں، میں مانتا ہوں لیکن اس کے ضمیر کو قائل نہیں کرسکتے۔ جب ضمیر ہی نہ مانے گا تو کیا فائدہ ہے۔ منافق ہی بنے گا۔ مومن تو نہیں بن سکتا۔ تو خیر میں نے یہ کہا ہے کہ درمیانی ایک اور مسئلہ ہوگیا تھا جو ظاہر کی پابندی نہیں کرسکتا، اس سے توقع کرنا کہ یہ باطن کو بلند سطح پر ہمیشہ رکھے گا بالکل عبث بات ہے۔

آپ محمدؐ کی فوج کے سپاہی ہیں

تو آپ لوگ سپاہی ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے، اور جنہوں نے عہد کیا ہے مسیح موعود..... کے ساتھ کہ آپ (دین حق) کی برتری دوسرے دینوں پر قائم کریں گے۔ باقی سب باتیں اس کے تابع ہیں۔ تو اگر آپ کے ظاہر سے نہ معلوم ہو کہ آپ اس فوج کے سپاہی ہیں جس نے (دین حق) کی برتری دوسرے دینوں پر ثابت کرنی ہے تو کیا اثر پڑے گا کسی پر، جس پر آپ نے برتری ثابت کرنی ہوئی۔

اگر آپؐ کے چہرے سے نہیں معلوم ہوتا کہ یہ محمد رسول اللہ کی امت کا ہے، اس کی سنت پر چلنے والا ہے۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے کسی نے پوچھا کہ کیا داڑھی میں ایمان ہے؟ آپ نے کہا ہرگز نہیں داڑھی میں ایمان نہیں ہے۔ بڑی بڑی لمبی داڑھیوں والے بڑے بڑے بے ایمان میں نے دیکھے ہیں لیکن اس بات میں ایمان ہے کہ جو رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے اس کے مطابق کرے تو رسول اللہ کا اپنا نمونہ بھی ہے اور آپؐ نے فرمایا بھی ہے۔ ہمارے میں سے، نوجوانوں میں سے بہت سے حصے کی یہ حالت ہے اور چند ہی دن گزرے مجھے ایک ایسی مجلس میں جانا پڑا انہوں نے ایک تو یہ مہربانی بے شک مجھ پر کی کہ وقت میرا کم تھا، انہوں نے جو وقت میں نے مقرر کیا تھا اور طے کر لیا ان کے ساتھ بالکل اس کی پوری پابندی کی اور اس کے مطابق کیا، میں ان کا ممنون ہوں۔ لیکن دعا کے لئے بلایا تھا ایک شادی کے رخصتانہ پر، وہاں جتنے نوجوان تھے، ان میں سے ایک کا چہرہ بھی میں نے نہیں دیکھا کہ یہ مومن کا چہرہ ہے اور اس قدر میری طبیعت میں رنج اور کدورت ہوئی کہ میں آدھا وقت تو واپسی میں خاموش ہی چلا آیا اس غم میں لیکن پھر انہوں کے کوئی بات شروع کر دی۔ میری توجہ ادھر ادھر ہو گئی تو کچھ میری توجہ ادھر سے ہٹنے سے میرا غم ہلکا ہو گیا کہ کیا ہو گیا ہے ہماری جنریشن کو۔ ایک ان میں ایسا نوجوان تھا وہ آیا مجھ سے مصافحہ کرنے کے لئے۔ اس نے میرے ساتھ مصافحہ کیا تو اس کے سر پر جلد ایسی تھی جیسے بالکل بھیڑ کی جت ہوتی ہے۔ درمیان میں سے اس کی آنکھیں اور ناک بھی مشکل سے نظر آتا تھا۔ میں نے کہا یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ میں نے کہا اس کی کوئی وجہ مجھے بتادو تو میں نے سمجھا کہ یہ تو یونہی خالی ہے بالکل تو کہہ دیتے ہیں کہ جی ظاہر میں کیا ہے۔

رسول اکرمؐ کی سنت موجب برکت ہے

ظاہر میں یہ ہے کہ اگر تو نیت یہ ہے کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے یا رسول اللہؐ کی سنت ہے تو وہ موجب ہر برکت کی ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے یہ سن رکھو ہر بات میں جو رسول اللہؐ نے فرمائی ہے یا کی ہے اس میں برکت ہے۔ اس کی حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کا فائدہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن اس میں حکمت ضرور ہے۔ اس میں فائدہ ضرور ہے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی یہ خط پڑھ کے، یہ پچھلے تین یا چار دن میں ہی آیا تھا دوست کا وہ میرا اسی قسم کا ایک خطبہ تھا سن کر انہوں نے لکھا انہوں نے کہا کہ میں نے فلاں ہمارے قائد تھے ان سے سنا تھا ایک بار کہ تم نے ان سے کہا یا انہوں نے کہا کہ تم سے کسی شخص نے پوچھا کہ تم نے داڑھی رکھی ہوئی ہے یعنی میں نے تو اس کے کیا فوائد ہیں؟ کیا نقصان ہیں؟ تو تم نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ داڑھی رکھنے کا کیا فائدہ ہے اور داڑھی رکھنے کا کیا نقصان ہے لیکن یہ جانتا ہوں کہ یہ رسول اللہؐ میرے آقا کی سنت ہے۔ اس لئے میں نے رکھی ہے تو میں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ہرگز ہرگز اپنے آپ کو بطور نمونہ کے پیش نہیں کرتا۔ میرے اندر سینکڑوں کمزوریاں ہیں جن کی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت بھی مانگتا رہتا ہوں۔ توفیق بھی مانگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے لیکن ایمان عشق رسول ہے اور عاشق کا یہ دستور ہونا چاہیئے اور اس کی یہ نشانی ہونی چاہیئے کہ وہ محبوب کی ہر بات میں نقل کرے تو رسول اللہؐ کی یہ سنت تھی کہ آپؐ جوتا پہنتے وقت جوتا بھی اس وقت ایک چپل کی قسم کا ہوتا تھا دائیں پاؤں کو پہلے جوتا پہناتے بائیں کو بعد میں اور اتارتے وقت بائیں کو

پہلے اتارتے تھے، دائیں کو بعد میں۔ میں نے جب سے یہ سنا ہوا ہے میں ایسے ہی کرتا ہوں۔ مجھ سے کوئی اس کی حکمت پوچھے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی کیا حکمت ہے؟ لیکن حکمت مجھے نہیں معلوم یہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہؐ ایسا کرتے تھے۔ اس میں ضرور حکمت ہے اور ضرور اس میں فائدہ ہے۔ تو یہ بات اپنے سامنے رکھو۔ رسول اللہؐ نے فرمایا مونچھیں کم کرو اور داڑھی کو بڑھاؤ تو مونچھیں کم کرو میں ضرور حکمت ہوگی۔ ایک حکمت تو صاف ہی ہے جس کی لمبی لمبی مونچھیں ہوتی ہیں پانی پیتا ہے تو کئی جراثیم ساتھ جاتے ہیں اور حکمتیں تو باقی رہ گئیں۔ تو ہمارے نوجوانوں نے بعض نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ ہم نے دونوں میں نافرمانی کرنی ہے۔ مونچھیں بڑھائیں گے اور داڑھی ختم کریں گے۔ ایسے شخص کو یہ ہم سمجھ لیں کہ اس کو رسول اللہؐ کے ساتھ عشق ہے۔ یہ رسول اللہؐ کی اس سپاہ کا سپاہی ہے اور اس کی وردی پہنے ہوئے ہے جس نے اسلام کا غلبہ قائم کرنا ہے تو عبث بات ہے۔ فضول بات ہے۔ تو ان باتوں کی طرف توجہ ہونی چاہیئے۔ ان کی طرف توجہ کرو تو اللہ تعالیٰ اور کی توفیق دے گا۔ اگر اور کی توفیق ہوگی تو ان بہانوں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ایک شخص نے ایک بات جو اس کے نزدیک معقول تھی مجھے بتائی۔ دو طالب علم تھے مجھے ملنے آگئے۔ میں نے ان سے بھی اسی قسم کی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ مصیبت یہ ہے کیمپس میں آکر ہمیں پہچان لیا جائے کہ یہ احمدی ہیں تو ہمیں برا دکھ دیا جاتا ہے تو میں نے کہا کہ اگر اس بات سے تم ڈر گئے تو پھر تم نے کون سی فتح حاصل کر لینی ہے۔ کون سا دکھ ہے جو انہوں نے ہمیں نہیں دیا اور کون سا دکھ ہے جو اگر وہ دے سکیں تو پیچھے رکھیں گے۔ تو اس بات سے پھر اگر ہم ایک بات ترک کر دیں، پھر دوسری ترک کر دیں، پھر تیسری ترک کر دیں، پھر انہیں میں شامل ہو جائیں بلکہ اس خطرے سے تو رسول اللہؐ نے آگاہ کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ

من تشبہ بقوم فھو منھم

کہ جو اپنی ظاہری شکل کو کسی اور کی طرز پر بنا لے وہ انہیں میں سے ہو جائے گا۔ تو یہ ایک بڑا انتباہ ہے۔ اس کو یاد رکھنا چاہیئے۔ ہم پہچانے جانے چاہییں کہ یہ احمدی ہیں۔ یہ نہیں ہمیں کہ ہم ہر ایک کی آنکھ سے چھپتے پھریں اور ہر ایک کو چیلنج کرتے پھریں اور ایسا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے

و اذا مروا باللغو مروا کراما

و اذا خاطبھم الجاھلون قالو سلما

ہمارا شعار تو یہ ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ نہیں کہ ہم ڈر کے کسی سے کہ جو سنت ہے اس کو چھوڑ دیں یا جو کچھ ہمیں اپنی وضع قطع بنانی چاہیئے اس کو چھوڑ دیں کہ فلاں مخالف ہو جائے، فلاں سختی کرے گا اور فلاں یہ کرے گا۔ یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہمارے تو جیسے میں نے کہا ہے ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

کنتم خیر امہ اخرجت للناس

تم سب سے بڑی اچھی قوم ہو کیونکہ تم بنی نوع انسان کی بہتری اور خوشحالی اور خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ تو ہم نے سب کی خوشحالی اور بہتری کے لئے خدمت کرنی ہے۔ ہم تو باغ محمد کے پھول ہیں اور ہر وقت ہم سے باغ محمد کی خوشبو آنی چاہیئے۔

ہم تو دنیا میں ایک رحمت کا نشان ہونے چاہییں ہر ایک کے لئے۔ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں پھنس کے وہ کیا کریں گے، جو بڑی عزم کی باتیں ہیں، جب ایک چھوٹی سی بات کو نباہ نہیں سکتے تو آپ تہیہ کریں۔ یہاں تک کہ آپ کو علم ہو سکے آپ اپنا ظاہر اور باطن دونوں، میں یہ نہیں کہتا جیسے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا کہ داڑھی رکھ لو اور مونچھیں کتروا لو گے تو سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔ سب کام تو ٹھیک نہیں ہوا کئی ہیں جنھوں کے داڑھیاں بھی رکھیں، مونچھیں بھی کٹائی ہیں۔ بعض تو وہابی شاید ایسے ہیں کہ مونچھوں کو منڈوا ہی دیتے ہیں اور ان کا کردار پھر جیسا ہے ویسا ہے لیکن یہ ایک نشانی ہے۔ یہ رسول اللہ کی محبت کی نشانی کے طور پر رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو بھی صاف کرے گا۔ تمہارے ذہنوں کو بھی جلا بخشے گا۔ تمہیں اور ترقیات کے موقع بھی دے گا تمہیں لغو سے بھی پرہیز کرنے کی توفیق دے گا۔ لغو میں ہی مبتلا رہو گے اور لغو کے ہی پیچھے پڑے رہو گے تو فائدہ کیا حاصل ہوگا۔ تو وہ فتح کب آئے گی اور فتح کے آثار تو سامنے نظر آرہے ہیں لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر یہ فتح کی جو خوشخبریاں ہیں اور وعدے ہیں خدا تعالیٰ کے اور سچے وعدہ ہیں اور پورے ہو کر رہیں گے وہ امت محمدیہ کے ساتھ ہیں اور اس زمانہ میں احمدی قوم کے ساتھ ہیں۔ جو سچا احمدی اخلاق کے ساتھ، دل و جان سے ہو وہ ظفر اللہ خان کے ساتھ نہیں، وہ مجیب الرحمان کے ساتھ نہیں، وہ عبدالوہاب کے ساتھ نہیں، وہ ہمارے ساتھ ہوگا۔ تب جب ہم شامل ہوں گے اور اس کردار کو اختیار کریں گے تو یہ یاد رکھو کہ اگر قرآن کریم میں یہ انتباہ آتا ہے کہ

و ان تتولّوا

اگر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کہا ہے۔ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے رستے میں صرف کرنا اور اس کے ہاتھ میں قربانیاں کرنا اور اگر اس سے منہ پھیر لو گے

یستبدل قوماً غیر کم ثم لایکون امثالکم

کہ تمہاری جگہ اور آجائیں گے ان کے ذریعے وہ بشارات پوری ہوں گی اور وہ انعامات اور وعدے۔ وہ تمہاری طرح کے پھر نہیں ہوں گے کہ چھوٹی چھوٹی بات پر کھوجی یہ تو ظاہر کی بات ہے، چلو جانے دو، اپنی خلاصی کرانے کے لئے، اور یہ بھی ہو رہا ہے ہماری جماعت کے اندر۔ مجھے ہماری جماعت کوپن ہیگن کی جو ہے اس کے فنانس سیکرٹری مسٹر سونڈ بینڈسن ہیں ڈینش ہیں تو اب آٹھ دس سال ہو گئے ان کو فنانس سیکرٹری ہوئے۔ جب وہ فنانس سیکرٹری ہوئے تو اس کے ایک دو سال کے بعد جب مجھ سے ملاقات ہوئی۔ بڑے مخلص آدمی ہیں تو میں نے ان سے پوچھا سونڈ کیسی چل رہی ہے تمہاری فنانشل سیکرٹری شپ۔ تو انہوں نے کہا ظفر اللہ خان اچھی چل رہی ہے۔ پہلے پہلے تو مجھے بہت فکر تھی کہ یہ خدمت جو میرے سپرد ہوئی ہے میں اس کو پورے طور پر ادا کر سکوں گا یا نہیں لیکن اب ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات میرے سامنے پیش آئی ہے۔ ایک تجربہ مجھے ہوا ہے جس پر میں بہت پریشان ہوں۔ میں نے کہا کیا؟ انہوں نے کہا جو تو ہمارے ڈینش احمدی ہیں وہ تو اپنی پوری آمد بتاتے ہیں۔ شرح کے مطابق چندہ لکھواتے ہیں۔ شرح کے مطابق ادا کرتے ہیں اور مہینے کے پہلے ہفتے کے اندر اندر ادا کر دیتے ہیں۔ مجھے ان کے پیچھے بھاگنا نہیں پڑتا۔ کوئی یاد دہانی نہیں کرانی پڑتی۔ ہمارے جو پاکستانی دوست یہاں آکر بسے ہوئے ہیں نہ وہ اپنی صحیح انکم (آمدنی) بتاتے ہیں نہ شرح کے مطابق چندے کا وعدہ کرتے ہیں۔ نہ اپنے وعدے کو

و ان تتولوا یستبدل قوماً غیر کم ثم لا یکون امثالکم

وہ پیچھے سے آئے ہیں اور آگے بڑھ گئے ہیں اور کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جن کے دادا مخلص احمدی تھے۔ پھر باپ اپنے وقت میں مخلص احمدی تھے وہ توست اور غافل ہو رہے ہیں اور جو آج شامل ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے رہا ہے۔ وہ آگے آ رہے ہیں۔ وعدہ ہے بے شک وعدہ ہے۔ یقیناً پورا ہوگا۔ یقیناً جماعت احمدیہ کے ذریعے ہوگا۔ لیکن اس جماعت احمدیہ کے افراد کون ہوں گے جن کے ذریعہ ہوگا۔ وہ وہی ہوں گے جو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق عمل کرنے والے ہوں گے۔ نام کے ساتھ یہ وعدہ نہیں۔ کتنی بار حضرت مسیح موعود...... نے فرمایا ہے کہ بیعت کرلینا لفظاً اس کے کوئی معنے نہیں جب تک اس پر عمل نہیں کرتا جن باتوں کا وہ اقرار کرتا ہے۔

میں کچھ آگے بھی کہتا لیکن اب میرے جانے کا وقت آگیا ہے۔ اتنے میں ہی اللہ تعالیٰ اثر ڈالے اور آپ کے دلوں میں یہ عزم پیدا کرے کہ آپ پورے طور پر سب اقدار پر قائم ہوجائیں جن اقدار کو ہم نے اس وقت میں اجاگر کرنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ اسلام کی برتری کا دوسرے دینوں پر ہے وہ ہمارے ذریعے سے پورا ہو۔ پورا ہوگا یقیناً پورا ہوگا۔ ہو رہا ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ اور آئیں اور ان کے ذریعے سے پورا ہوجائے اور ہم رہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ ختم شد

بقیہ از ص --- ۶۲

دوسرے میں آپ خدام بھائیوں کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تنظیم نام ہے اطاعت اور تعاون کا۔ ہمارے آقا و مولا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک سیاہ فام حبشی حضرت زیدؓ کو امیر مقرر کیا اور اس کے ماتحت بڑے بڑے صحابہ تھے۔ پھر ان کے بیٹے اسامہؓ کو ایک لشکر کا جرنیل بنایا تو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ سپاہی کی حیثیت سے اس لشکر میں شامل تھے، یہ اس لئے تھا خدا کے رسولؐ نے فرمادیا تھا کہ اگر منقہ کے دانے کے سر کے برابر والا حبشی بھی تمہارا امیر مقرر کردیا جائے تو تم نے اس کی اطاعت کرنی ہے کیونکہ جو میرے امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو میرے امیر کی نافرمانی کرتا ہے وہ میرا نافرمان، خدا کا نافرمان ہے...... خدام الاحمدیہ کی تنظیم اب آپ کے ملک میں آزادانہ طور پر کام کرنے لگی ہے، آپ کو ہماری طرح پابندیاں نہیں ہیں۔ پس آگے بڑھیں اور خدا کی راہ میں اپنے اوقات کی قربانی دیتے ہوئے تنظیم کے ساتھ مکمل تعاون کریں کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو کسی قوم کی زندگی اور ترقی کی ضمانت دیتی ہے۔ ہم مجبور بھائیوں کے لئے جہاں دعائیں کریں وہاں اس جوش اور جذبے سے خدمت دین کے لئے وقت نکالیں کہ آپ کو خدا نے آزاد پنچھی بنایا ہے، اس مذہبی آزادی کے شکرانے کے طور پر اپنے اوقات سلسلہ کے لئے وقف کریں۔ سیدنا حضرت مصلح موعود بانی خدام الاحمدیہ کے اس ارشاد پر اس پیغام کو ختم کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں

"خدائی وعدوں پر یقین رکھو اور اس دن کو دور نہ سمجھو جب کہ ساری دنیا... (دین حق- ناقل) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہوجائیگی لیکن اس کے لئے ضرورت ہے اخلاص کی، ضرورت ہے تقویٰ کی، ایسا اخلاص ایسا تقویٰ جس کے بعد تمہاری ہر حرکت و سکون خدا کے لئے ہوجائے...... پس اصل ضرورت یہ ہے اور تم اپنے اندر اتنی تبدیلی پیدا کرو کہ تمہارا ہر قدم خدا تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت اٹھے۔ تب تمہارا ہر فعل خدا کا فعل بن جائے گا اور تم محسوس کروگے کہ تم خدائی گود میں ہو اور وہی ہر وقت تمہاری حفاظت کر رہا ہے"۔ (سالانہ اجتماع خدام 1950ء)

مجلس عرفان

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ

زندگی کے آغاز کے بارے میں سائنسی نظریات اور قرآنی علوم کا پر حکمت تذکرہ

زندگی کے آغاز کے بارے میں سائنسی نظریات اور قرآنی علوم کا پر حکمت تذکرہ

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک ٹھوس اور مستحکم ثبوت

میڈیکل کالج کے ایک مہمان طالب علم یہ جاننا چاہتے تھے کہ آدم کی پیدائش (ORIGIN OF LIFE) کی اصل حقیقت کیا ہے اور اس بارہ میں قرآن کریم اور سائنس کے نظریات کا رشتہ کیا ہے۔

انسانی تخلیق کے مختلف مراحل

حضور نے فرمایا قرآن کریم نے زندگی کے آغاز (ORIGIN OF LIFE) کے نظریات پر مختلف جگہوں پر مختلف رنگ میں روشنی ڈالی ہے اور انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کو بیان فرمایا ہے مثلاً قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں کیچڑ سے پیدا کیا۔ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔ قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ ہم نے انسان کے علاوہ بعض مخلوقات کو جن کو "جن کا نام دیتا ہے آگ سے پیدا کیا۔ قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں مضغہ سے پیدا کیا۔ علقہ سے پیدا کیا (یہ اصطلاحیں ہیں) اور پھر فرمایا حماء مسنون یعنی گلے سڑے کیچڑ سے پیدا کیا جس میں (FERMENTAION) ہو چکی تھی۔ پھر قرآن یہ فرماتا ہے..... ہم نے تمہیں نباتات کی طرح اگایا۔ پھر قرآن کریم فرماتا ہے کہ کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا..... جب کہ وہ شئے مذکور تھا ہی نہیں۔ بحیثیت انسان اس کی کوئی معروف حقیقت ہی نہیں تھی۔

یہ اور بہت سے اور اشارے قرآن کریم میں ایسے ملتے ہیں جن سے انسانی تخلیق کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک جامع پلاننگ نظر آتی ہے۔ پس قرآن کریم کا یہ کہنا کہ زندگی مختلف مراحل میں سے گزری ہے اور کئی قسم کی زندگیوں کا مختلف آغاز ہوا ہے اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

تخلیق کائنات کا اصل مقصود

اللہ تعالیٰ اس سارے عمل کو انسان کی تخلیق بیان

فرماتا ہے کیونکہ انسان کو ویسے اگایا تو نہیں ہے جیسے نباتات اگتی ہے۔ لیکن ایک دور تھا جب کہ صرف نباتات کا دور تھا اور ایسا دور آج سے تقریباً ایک ارب اور کچھ سال پہلے تھا۔ اس وقت صرف نباتات کا دور نظر آتا ہے جب کہ دوسری زندگی بھی اس میں سے جنم لیتی دکھائی دیتی ہے اور کچھ بعد میں پیدا ہوئی۔ تو اس دور کو بھی غذا فرماتا ہے کہ وہ انسان کا دور ہے جس سے ایک بات قطعی طور پر واضح ہوئی کہ اس عمل میں مقصود انسان تھا۔ جس طرح آم کا پھل مقصود ہو تو اس کی گٹھلی زمین میں بوئی جاتی ہے اور قبل اس کے کہ آم لگیں، آم کے درخت کی مختلف شکلیں بنتی ہیں۔ اگر پھل لگنے سے پہلے وہ درخت کاٹ دیا جائے تو وہ آم کا درخت تو نہیں بنے گا ان معنوں میں کہ اس کو آم لگیں لیکن وہ سارا عمل آغاز سے لے کر آخر تک آم کا عمل ہے اور اس سے پہلے عمل میں جہاں تک آم کے پھل کا تعلق ہے وہ شی مذکوراً ہی نہیں ہے تو بعینہ اس طرح پر قرآن کریم نے انسانی زندگی کے مختلف مراحل بیان کئے ہیں۔ آغاز زندگی کے متعلق بھی اور انسانی تخلیق کے بعد کے مراحل بھی جن کو میں بعد میں بتاؤں گا۔

قرآن کریم نے بغیر جنسی تعلق کے افزائش نسل اور بعد میں جنسی تعلق کے ذریعے افزائش نسل کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔ پہلے نفس واحدہ سے تخلیق کا ذکر ملتا ہے۔ پھر اس میں سے جوڑا بنانے کا ذکر کرتا ہے جس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ جو بائبل کا تصور ہے کہ انسان اچانک مٹی سے بنا تھا اور اس کی پسلی سے حوا نکالی تھی قرآن اس تصور کو رد کرتا ہے مثلاً فرماتا ہے (اے انسانو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو اس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ ترجمہ از ناقل)۔ مخاطب انسان ہی ہے کیونکہ مقصود انسان تھا۔ فرمایا ہم نے تمہیں ایسی حالت میں پیدا کیا کہ تم کائنات میں نفس واحدہ کی شکل میں موجود تھے۔ مثلاً جس طرح امیبا ہے وہ افزائش نسل کے لئے کسی اور نفس کا محتاج نہیں ہے..... پھر دوسرا مرحلہ ایسا آیا کہ بغیر جنسی تعلق کے افزائش نسل کو ہم نے جنسی تعلق کے ذریعے اضافے میں تبدیل کر دیا اور نفس واحدہ سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ یہ عام جو حیواناتی افزائش نسل ہے اس کا ذکر فرمایا ہے پھر فرمایا..... انسان سے پہلے یہ جوڑا پیدا ہو چکا تھا۔ پھر ان دونوں کے ملنے سے آہستہ آہستہ وہ منزل آئی کہ پھر انسان مرد اور عورت پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ یہ ہے "جنرل سکیم آف تھنگ" اب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہوں۔

زندگی کے آغاز کے متعلق ایک بات بہرحال قطعی ہے کہ ہائی الیکٹرانک چارجز HIGH ELECTRONIC CHARGES نے اس میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ زمین پر ایک ایسا وقت آیا کہ جب وہ آکسیجن سے کلیتہً خالی تھی اور وہی ضرورت تھی۔ زندگی کی نشوونما کے لئے اگر اس دور میں آکسیجن ہوتی تو زندگی کا آغاز نہیں ہو سکتا تھا۔ کیسی حیرت انگیز ارگنائزیشن ہے۔ اس وقت ہائی الیکٹریکل چارجز HIGH ELECTRONIC CHARGES نے زندگی کا ایک قسم کا ابتدائی ذرہ پیدا کیا جو زندگی سے تو محروم تھا لیکن کیمیاوی طور پر وہ برکس (BRICKS) کی شکل میں تھا جس سے زندگی تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس میں پروٹین کا آغاز ہو گیا جس سے آگے D-N-A اور R-N-A بننی تھی۔ اس کا آغاز

ہوا پانی میں جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے..... کہ ہر زندہ چیز کو اس نے پانی سے پیدا کیا تو سائنس دانوں نے اب تک جس نظام کا پتہ چلایا ہے اس کے مطابق وہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں بہت ہائی وولٹیج کے الیکٹریکل چارجز اس غیر نامیاتی کیمیائی مادے

"INORGANIC CHEMICAL" کو نامیاتی مادے "ORGANIC CHEMICAL" میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ روس میں 1968ء میں اس کے لگ بھگ تجارب ہوئے تو انہوں نے مصنوعی طور پر اس قسم کے چارجز پیدا کر کے وہ جو انہوں نے اندازہ لگایا تھا۔ اس وقت دنیا کا مادہ MATTER ہوگا اس کا مواد مہیا کیا اور واقعۃً اس کے نامیاتی اشیاء ORGANIC PARTICLES یا مالیکیول پیدا ہوگئے۔

سائنس دانوں کا اعتراف

پس قرآن کریم یہ جو فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کی پیدائش سے پہلے ایسی چیز پیدا کی جو آگ سے پیدا کی گئی تھی تو اس سے وہ جو مولویوں والا جناتی تصور ہے وہ ہرگز مراد نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ آگ نے انسان کی تخلیق سے پہلے ایک بڑا بھاری کردار ادا کیا ہے۔ اور اس سے کچھ بیکٹیریا قسم کی چیزیں وجود میں آئیں یا زندگی کے ابتدائی سیلز (CELLS) وجود میں آئے۔ پھر جب انسانی آغاز ہوا یعنی وہ کیمیکلز جو انسان کے لئے BRICKS بنانے کے لئے ضروری تھے وہ اس مواد سے الیکٹریکل چارجز کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں تنہا نشوونما نہیں کر سکتی تھیں۔ پانی کا کردار اس میں لازمی تھا۔ چنانچہ وہ مواد پھر سمندر کے پانیوں میں حل ہوا تو پانی اور نمکیات کے باہمی ارتباط کے نتیجہ میں اس میں کچھ کیمیکل تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہوئیں۔ یہ عمل عمل معکوس REVERSEABLE PROCESS تھا۔ یعنی اگر کوئی اور سبب اللہ تعالیٰ پیدا نہ کرتا تو اس نے واپس پھر اسی حالت میں مڑتے چلے جانا تھا۔ ایک

REVERSEABLE CHEMICAL ACTIONS ہوتے ہیں اور آگے بڑھ کر A-N-D کے لئے جو پیچیدہ مالیکیول چاہئیں وہ نہیں بن سکتے تھے۔ یہ چیز سائنٹیفک تحقیق سے ثابت ہوگئی ہے۔

پھر کیا ہوا۔ فرمایا..... ہم نے انسان کو کھنکتی ہوئی یعنی بجنے والی ٹھیکریوں سے پیدا کیا ہے۔ یہ عمل بیان ہوتا ہے۔ اب انسان ویسے تو حیران ہوتا ہے کہ انسانی تخلیق کا ٹھیکری سے کیا تعلق ہے۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خود کتاب بنا رہا ہوتا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا تھا کہ کیچڑ سے پیدا کیا کیونکہ کیچڑ میں کیڑے وغیرہ نکلتے دکھائی دیتے ہیں..... لیکن ٹھیکری کا تو کوئی تصور ہی نہیں آتا۔ اس زمانے سے آج تک کوئی انسان یہ نہیں سوچ سکتا تھا نہ کسی کتاب میں ذکر ہے کہ بجنے والی کھنکھناتی ہوئی ٹھیکریوں سے انسان کو پیدا کیا لیکن اب سائنس نے اس سے پردہ اٹھایا ہے۔ سائنس دان ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت سو فیصدی درست ہے کیونکہ جب وہ یہاں تک پہنچے کہ الیکٹریکل چارجز سے کچھ مادہ وجود میں آیا وہ پانی میں حل ہوا پھر کیمیکل ارتقاء کا عمل بڑھنا شروع ہوا تو وہاں STUCK ہوگیا کیونکہ عمل معکوس REVERSEABLE PROCESS تھا۔ پانی کے اندر رہتے ہوئے وہ عمل ایسے مادے میں تبدیل ہو ہی نہیں سکتا تھا جو آگے کسی اور شکل میں بدل جاتا۔

پھر انہوں نے جائزہ لیا تو وہ اب قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہے۔

انسانی تخلیق اور اسکا حیرت انگیز ارتقاء

ہوا یہ ہے کہ سمندر آگے بڑھتا اور پیچھے ہٹتا رہتا ہے اس نے اس قسم کے مادے کو یعنی کیمیکل مادے کو جس کا میں ذکر کر رہا ہوں اس کو ایسی جگہ پھینکا جہاں سیلیکون کا مادہ موجود تھا اور سیلیکون میں جذب ہونے کے بعد وہ ٹھیکریوں میں تبدیل ہو گیا اور وہ خشکی جو اگلے عمل کے لئے ضروری تھی وہ مہیا ہو گئی اور جب اس کی سطح پر وہ کیمیاوی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں جو مکمل طور پر خشکی کو چاہتی تھیں تو پھر کیا؟ وقت اللہ تعالیٰ کا پروگرام تھا کہ پھر وہ سمندر دوبارہ بڑھا ہے کہیں پھر ان جگہوں میں داخل ہو گیا جہاں یہ مادہ ترقی پانے کے لئے تیار تھا پانی اس کو بہا کر دوبارہ سمندر میں لے گیا اور عمل معکوس REVERSABLE PROCESS آگے کیمیکل ارتقائی عمل میں تبدیل ہو گیا۔ پھر اس کے بعد حماء مسنون کی باری آتی ہے اس کے نتیجہ میں زندگی پیدا ہونی شروع ہوئی کیونکہ کیمیکلز زیادہ مالیکیول میں تبدیل ہو گئے اور کسی ایسے مرحلے پر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی امر ملا ہے جس سے لائف پیدا ہوئی ہے کیونکہ یہ کیمیکل عمل از خود لائف میں نہیں بدل سکتے۔ انسان جب مرتا ہے تو اس کے جسم کی کیمسٹری وہی رہتی ہے جب تک آہستہ آہستہ شکست و ریخت کے عمل سے نہ گزرے۔ لیکن زندہ اور مردہ میں ایک فرق ہے جس کو آج تک سائنسدان نہیں سمجھ سکا اور غالباً نہیں سمجھ سکے گا۔ کیونکہ روح کا مسئلہ اتنا لطیف ہے کہ اس تک ان کی پہنچ مشکل نظر آتی ہے مگر یہاں پر ایک فرق اور بڑا بھاری فرق یہ موجود ہے کہ ایک کیمیکل ارگنائزیشن بعینہ وہی موجود ہے لیکن ایک زندگی ہے اور ایک موت ہے تو خدا تعالیٰ نے کسی وقت اس کو زندگی میں بدلا ہے اور پھر حماء مسنون کی باری آئی ہے پھر حماء مسنون سے وہ امیبا پیدا ہوئے جس کو اللہ تعالیٰ نفس واحدہ کا نام دیتا ہے اور اس سے پھر مزید بڑھتے ہوئے جوڑے پیدا ہوئے جن سے آگے زندگی جاری ہوئی۔

یہ عمل شروع میں یعنی آغاز میں بوٹانیکل نیچر میں زیادہ تھے اور زولوجیکل نیچر کے کم تھے کیونکہ یہ جو ابتدائی ذرات ہیں ان میں ابھی امتیاز نہیں پیدا ہو سکتا کہ یہ زولوجیکل جانور ہیں یا بوٹانیکل بینز (BEANS) ہیں کیونکہ (MOTALITY) یہ سارے عمل اور وہ سارے مظاہر جو بوٹانیکل لائف کو زولوجیکل لائف سے الگ کرتے ہیں وہ ابھی پوری طرح پیدا نہیں ہوئے اس لئے ...... کا دور یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ کئی قسم کے بوٹانیکل لائف نے اپنا سر نکالا سمندر میں اور وہ جب کنارے پر بڑھتا تھا اور واپس آتا تھا تو وہاں وہ بیج چھوڑ دیتا تھا جس سے پھر خشکی کے نباتات کا آغاز ہوتا ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اس دور سے پھر وہ لائف بھی جنم لیتی ہے جس کو ہم زولوجیکل لائف کہتے ہیں اور پھر مضغہ اور علقہ کا دور شروع ہوتا ہے۔ بعض علماء یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ماں کے پیٹ میں جو لوتھڑا ہے بغیر ہڈی کے اور پھر خون والا اور پھر ہڈی اور پھر گوشت وغیرہ اس کا ذکر ہے حالانکہ قرآن کریم واضح طور پر کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں جس طرح پیدا کیا اس مظہر کا تم نے مطالعہ کرنا ہو تو ماں کے پیٹ میں جو تمہیں شکلیں دی جاتی ہیں ان کا مطالعہ کرو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں آغاز زندگی سے لے کر انسانی نشوونما کی تمام تاریخ دہرائی جاتی ہے اور تمام ارتقائی مراحل

MINIATURE EVOLUTIONARY STAGES آپ کو مختلف سانچوں میں مختلف لمحات میں نشوونما پاتی ہوئی نظر آئیں گی۔ تو مضغہ اور علق کا دور یعنی بغیر ہڈی کے جانور جو گوشت جیسے جانور نہ ہوں بلکہ جس طرح سمندر میں جیلی فش جیسی چیزیں ملتی ہیں اس قسم کے جانوروں کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے ان کو ہم نے پہلے پیدا کیا اور ارتقائی ثبوت بھی یہی ہے کہ یہ جانور پہلے پیدا ہوئے کیونکہ جیسا کہ میں نے سارا سلسلہ بیان کیا ہے قرآن کریم وضاحت سے فرما رہا ہے کہ ماں کے پیٹ میں ہم تمہیں جو شکلیں دیتے ہیں وہ تمہیں مدد دیں گی۔ اس مظہر کو سمجھنے میں کہ ہم نے انسان کو کس طرح پیدا کیا تو اس لئے ہم قرآن کی طرف بات منسوب نہیں کر رہے قرآن خود اپنی وضاحت آپ کر رہا ہے۔

قدرت کا عنوان

اس عمل کو یا ان حوالہ جات کو اگر زولوجیکل طالب علم سمجھے تو ارتقاء کی ایک قرآنی تصویر بنتی ہے جس میں اس کے عنوان کا ایک بڑا نمایاں فرق ہے۔ ایک ہے اندھا ارتقاء جس کو اکثر دہریے مانتے ہیں اور اب ان کے رستے میں روکیں پیدا ہو گئی ہیں کیونکہ مزید ایسا ثبوت مہیا ہوا ہے جس سے وہ چکر میں پڑ گئے ہیں اور ان کا ایک طبقہ مجبور ہو گیا ہے یہ کہنے پر کہ بے ترتیب ارتقاء جیسی کوئی چیز نہیں لیکن قرآن کریم نے تو آج سے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا کہ اندھے ارتقاء کا نظریہ غلط ہے۔ قرآن آغاز سے ہی اس کا نام انسان رکھتا ہے یعنی فرماتا ہے انسان کے عنوان کے تابع یہ نشوونما ہو رہی تھی۔ اس کو آرگنائزڈ ارتقاء کہہ سکیں گے نہ کہ اندھا ارتقاء۔ اندھے ارتقاء اور آرگنائزڈ ارتقاء میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دہریہ کہتا ہے کہ یہ چیزیں اتفاقاً پیدا ہوتی رہیں اور اتفاقاً ان کو ہدایات ملتی رہیں اور اتفاقاً ہر مرحلہ کے بعد جو اگلا مرحلہ سامنے آیا وہ پہلے سے بہتر تھا۔ اس لئے وہ زندہ رہا اور اس طرح آہستہ آہستہ سارے مراحل میں آخر انسان پیدا ہوا۔

ہستی باری تعالیٰ کا زبردست ثبوت

جیسا کہ میں نے کہا ہے اب تازہ ترین معلومات ایسی مہیا ہو گئی ہیں کہ جس سے اس تھیوری کو بالکل ردی کا ٹکڑا سمجھ کر پھینک دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حساب دانوں نے اس میں ایک بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ابھی حال ہی میں امریکہ میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں بیالوجسٹ اور حساب دان شامل ہوئے۔ ایک حساب دان نے حساب کتاب سے ثابت کیا کہ تم جس قسم کے اتفاقات پر اپنے ارتقاء کی بنا رکھ رہے ہو وہ بے سمت UNDIRECTED ارتقاء ہے۔ مربوط ارتقاء میں تو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ ایک صاحب اقتدار ہستی موجود ہے جو شعوری طور پر اس عمل کی نشوونما کر رہی ہے۔ جس طرح انسان BRICKS رکھتا ہے یا حروف کو آگے پیچھے رکھ کر ایک بامعنی چیز بناتا چلا جاتا ہے اس میں اتفاقات کے قانون CHANCES LAW OF کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن اگر ایک صاحب اقتدار ہستی نہ مانی جائے تو پھر ان کے جنم لینے کے امکانات کی کیا شکل بنتی ہے یہ اس حساب دان نے پیش کی۔ اس نے کہا اس سے پھر یہ شکل بنے گی کہ تم یہ تسلیم کرو کہ A B C D E F آخر تک لکھے ہوئے پڑے ہوں اور ڈائس کی طرح تم ان کو پھینکو اور ایسا اتفاق ہو کہ A B C D E F میں کونسونینٹ CONSONANT اور واولز VOVLES اتفاقاً اس طرح گر پڑیں کہ بامعنی الفاظ بن جائیں اور پھر اتفاقاً وہ اس طرح آرگنائز ہو جائیں کہ ایک

لفظ کے بعد جو دوسرا آنا چاہیئے وہی آئے اور دوسرے کے بعد جو تیسرا آنا چاہیئے وہی آئے اور پھر کاما اور فل سٹاپ بھی بیچ میں ڈالیں وہ بھی عین وہاں فٹ ہوجائیں اور ایک بامعنی فقرہ بن جائے اور وہ بامعنی فقرہ کافی نہ ہو بلکہ آپ ڈائس کھینچتے چلے جائیں اور ہر اگلا فقرہ ایک بامعنی گہرے مضمون پر مشتمل تیار ہوتا چلا جائے۔ ایسی 25 ہزار صفحے کی نہایت گہری علمی تحقیقات پر مبنی کتابیں اگر اتفاقاً پیدا ہو سکتی ہیں تو لائف بھی اتفاقاً پیدا ہو سکتی ہے ورنہ نہیں ہو سکتی۔

THERE ARE FINAL JUDGEMENT OF THE KNOWLEDGEABLE SCIENTISTS

جن کو اپنے علم پر عبور حاصل ہے۔ چنانچہ وہ پھر وہی AS YOU WERE ہو گئے ہیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ لائف کیسے EVOLVE ہوئی۔ یہ تو پتہ ہے کہ اس کے بعد یہ ہوا لیکن یہ کہ اس کے بعد وہ ہو کس طرح سکتا تھا۔ اس کا کچھ پتہ نہیں۔

ایک اور امریکن سائنٹسٹ ہے LOYAL اور ایک مسٹر سنگھا نے مل کر کتاب لکھی ہے جو بڑی دلچسپ ہے انہوں نے اس پر غور کیا تو انہوں نے حساب کی رو سے ایک اور فارمولا پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ لمبے ارتقاء کو تو چھوڑو D-N-A کا پہلا CELL بنانے کیلئے اینزائمز ENZYMES اور پروٹین کی اندرونی آرگنائزیشن کیلئے جتنے اتفاقات کی ضرورت ہے وہ اتنی ASTRONOMICAL FIGURE بنتی ہے کہ پہلا سیل بنتا ہی نہیں تسلیم ہو سکتا کیونکہ جو عدد وہ حسابی طور پر طے کرتا ہے وہ ایسی تعداد ہے کہ ساری کائنات کی (صرف ہماری گلیکسی کی نہیں) جس میں اربوں ایسی گلیکسز ہیں اور ہر گلیکسی میں اربوں ستارے ہیں اور ہر ستارے میں ہمارے نقطہ نگاہ سے ان گنت ایٹم ہیں اور ایٹمز کے آگے مزید حصے SUB PARTICLES ہیں اور یہ بھی آگے تقسیم ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ جتنا بھی ہے اگر ساری کائنات کے ذیلی حصے شمار کئے جائیں تو اتنا عدد نہیں بنتا جتنا اتفاق کیلئے چاہیئے۔ اور وہ عدد ہے دس ضرب چالیس ہزار حصے اور اگر منفی لگا دیں تو مطلب یہ ہے کہ ان سب میں سے ایک چانس ہو گا۔ اس بات کا کہ زندگی کا پہلا سیل اتفاقاً بن گیا۔ اس لئے قرآنی نظریہ ہی صحیح ثابت ہوتا ہے کہ مربوط ارتقاء GUIDED EVOLUTION ہے۔ دوسری جگہ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز کو پیدا ہی ارتقائی عمل سے کیا ہے۔ طباقاً یعنی درجہ بدرجہ ترقی دی ہے اور رب کے معنے بھی یہی ہیں کہ جو ایک دم پیدا نہ کرے بلکہ ربوبیت کرے درجہ بدرجہ ترقی دے۔

(مجلس سوال و جواب کراچی 15 فروری 1983ء بحوالہ الفضل سالانہ نمبر 1989ء صفحہ 3)

"لے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا"

ہم نے مختلف شعراء کی خدمت میں یہ طرح مصرعہ بھجوا کر انہیں دعوت کلام دی۔ بعض شعراء کی طرف سے جو کلام موصول ہوا وہ پیش خدمت ہے۔

نام: محمود احمد

تخلص: عارف

تاریخ پیدائش: 6 فروری 1942ء سیالکوٹ شہر

تعلیم: ایم۔اے اردو، بی ایڈ، فاضل فارسی

قبل ازیں صوبہ بلوچستان اور پنجاب میں نیز آسٹریا، برطانیہ، فرانس، یونان، کینیڈا، مصر، شام اور لیبیا کی سیر و سیاحت اور حصول روزگار کا موقع بھی ملا۔ 1990ء سے واہ کینٹ میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ 1991ء میں "رخت سفر" کے عنوان سے مجموعہ کلام بھی شائع ہوا ہے۔

Mahmud

22/7/91

چراغ آخر شب

ہر ستم منسوب کر کے میرے نام آیا تو کیا
میں کسی رو اس جفا جو کے بھی کام آیا تو کیا

آ گئے ہیں جب صلیب جبر کو بھی چوم کر
اور بھی اس سے اگر مشکل مقام آیا تو کیا

ہیں چراغ آخر شب، تشنگان دید سب
"لے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا"

گاہے گاہے بے کسوں کی غمگساری چاہیئے
تو اگر ہر پھر کے اپنوں ہی کے کام آیا تو کیا

سنتے ہیں تزئین گلشن میں مگن ہے باغباں
ہم قفس! مجھ کو بہاروں کا پیام آیا تو کیا

ساقیا! اس میکدے کی رونقوں کی خیر ہو
ہم فقیروں، ناتوانوں تک نہ جام آیا تو کیا

ذکر آیا بھی تو وہ بھی برسبیل تذکرہ
عارف! ان کی بزم میں یوں اپنا نام آیا تو کیا

(محمود عارف۔واہ کینٹ)

لگتا تھا دیکھنے میں جو انسان کم سخن

پاکستان کے بین الاقوامی شہرت یافتہ بطل جلیل رفیق حضرت مسیح موعود و مہدی موعود
سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خدمات کا تذکرہ

(مقالہ: مکرم پروفیسر راجا نصر اللہ خان صاحب)

شیکسپیر نے اپنے ایک مشہور ڈرامہ (OTHELLO) میں حسد کو ایک ایسا سبز چشم اور بد طینت عفریت قرار دیا ہے جو اسی جسم پر پھبتی اڑانے لگتا ہے جس پر اپنی گزر بسر کرتا ہے۔

اس عظیم مصنف کے یہ الفاظ خاکسار کو اس وقت بے اختیار یاد آر ہے ہیں جب کہ یہ عاجز پاکستان کے بین الاقوامی شہرت یافتہ بطل جلیل چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی ان بے شمار اور کامیاب خدمات میں سے چند ایک کا تذکرہ کرنے بیٹھا ہے جو آپ نے ملک و ملت کے لئے انتہائی بے لوث جذبے اور انتھک محنت و کاوش سے انجام دیں لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ ہمارے یہاں حاسدوں اور موقع پرستوں کا ایک ایسا طبقہ ہمیشہ سرگرم عمل رہا ہے جو آپ کی خداداد لیاقت اور تمکنت سے جل جل کر آپ کے خلاف الزام تراشیوں اور بدگوئیوں کے کاروبار سے اپنا پیٹ بھرنا اپنا قومی فریضہ سمجھتا ہے۔ بقول شاعر

ہوئی ہے شعلہ نوائی وہ بر سر منبر
محبتیں جو کبھی تھیں رہیں نہیں باقی

اور نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ م۔ش جیسا جہاندیدہ اور بزرگ صحافی بھی اپنی حق گوئی کا تقاضہ پورا کرتا ہے تو اپنے سر کی خیر مناتے ہوئے اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہوئے۔ چنانچہ "نوائے وقت میگزین" کی 21 ستمبر 1990ء کی اشاعت صفحہ 8 میں برصغیر کے ممتاز اور کامیاب قومی مقررین کا ذکر کرتے ہوئے م۔ش رقم طراز ہیں "آخر میں ایک ایسے شخص کے فن تقریر کے متعلق کچھ کہنے چلا ہوں کہ جن کا نام آتے ہی پاکستان کے ایک حصہ میں غیض و غضب کی لہر دوڑ جاتی ہے لیکن میں اس شخص کا انصاف کا خون بہائے بغیر اس مضمون سے نام محو نہیں کر سکتا۔ میری مراد سر محمد ظفر اللہ خان سے ہے۔ وہ اردو اور انگریزی کے ایک بے پناہ، زبردست اور ٹھنڈے دل و دماغ کے اعلیٰ پایہ کے مقرر تھے۔ انہوں نے قائد اعظم کے حکم کے تحت

پارٹیشن کمیٹی (حد بندی کمشن۔ ناقل) میں مسلم لیگ کی جس طرح ترجمانی کی اس کا مکمل ریکارڈ موجود ہے۔ اس طرح قیام پاکستان کے بعد انہوں نے جس انداز سے کشمیر کے مسئلہ کو سیکورٹی کونسل کے سامنے پیش کیا یہ اس کا ثمر تھا کہ سیکورٹی کونسل نے متفقہ طور پر کشمیر کے مستقبل کو عوام کے استصواب رائے سے مشروط کر دیا۔ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان نے عربوں کے کیس کی اقوام متحدہ میں جس خلوص، دیانت داری، بلند حوصلگی سے نمائندگی کی اس کا اعتراف تمام عالم اسلام کو ہے۔ میں نے جو کچھ دیانتداری سے سمجھا اسے لکھ دیا۔ اب مجھے ایک مخصوص حلقے سے اینٹوں کا انتظار رہے گا۔ سر دوستاں سلامت تو خنجر آزمائی"۔

غوغائے رقیباں اور خوب تر مترلیں

اگر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی عملی زندگی کا ورق بہ ورق مطالعہ کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ترقی اور کامرانی کا ایک گراف ہے جو خدا تعالیٰ کے فضل سے قدم بقدم بلند سے بلند تر ہوتا جاتا ہے۔ ان کی اس کامیابی کی صرف چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔

○ آپ انگلستان میں لنکنز ان (جہاں سے محمد علی جناح نے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا تھا) سے بیرسٹر ہو کر 1914ء کے تقریباً آخر میں اپنے وطن سیالکوٹ لوٹے اور وہیں پر بحیثیت ایک وکیل کے پریکٹس شروع کر دی۔

○ ترقی کے زینوں پہ زینے طے کرتے ہوئے قیام پاکستان سے قبل ستمبر 1941ء سے جون 1947ء تک آپ متحدہ ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج رہے۔

○ دسمبر 1947ء میں قائد اعظم محمد علی جناح نے آپ کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا اور آپ سینئر وزیر بنے جو وزارت عظمیٰ کے بعد سب سے وقیع عہدہ ہوتا ہے۔

○ اس منصب پر پوری کامیابی اور اعزاز کے ساتھ سات برس تک فائز رہنے کے بعد 1954ء میں آپ عالمی عدالت انصاف کے جج منتخب ہوئے۔ اس کامیابی کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ آپ نے ایک منجھے ہوئے ہندوستانی امیدوار کو شکست دے کر پاکستان کے لئے یہ اعزاز حاصل کیا۔

○ آپ 1962ء تا 1963ء اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر رہے۔

○ 1964ء میں چوہدری صاحب دوسری بار عالمی عدالت انصاف کے جج منتخب ہوئے اور اس دوران آپ 1970ء میں دنیا کی اس سب سے بڑی عدالت کے چیف جسٹس (صدر) منتخب ہوئے اور اسی (80) سال کی عمر میں اس عہدہ جلیلہ سے سبکدوش ہوئے۔

مندرجہ بالا عہدوں میں آخری دو منصب (صدر جنرل اسمبلی اور صدر عالمی عدالت انصاف) ایسے ہیں جو صرف آپ کی ذات میں جمع ہوئے۔ اس طرح اپنے اس بطل جلیل کے ان ممتاز ترین عالمی اعزازات کی وجہ سے پاکستان دنیا بھر میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

پس حاسد اور متعصب مخالفین مخالفت اور بغض سے کام لیتے رہے اور خدا تعالیٰ کا یہ شکر گزار بندہ اور اس کی درگاہ کا پر از اعتماد گدا اسی کی عطا اور مدد سے جادہ کامرانی پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ عرفی نے کیا خوب کہا ہے۔

عرفی تو میندیش زغوغائے رقیباں
آواز سگاں کم نہ کند رزق گدارا

چنانچہ جنگ آزادی کے ایک ممتاز سپاہی اور تاریخ دان، مشہور دانشور اور بی بی سی (اردو سروس) کے کامیاب انٹرویور جناب عاشق حسین بٹالوی نے "سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی یاد داشتیں" کے عنوان سے جو کتاب انگریزی میں مرتب کی ہے اور جسے حال ہی میں (1991ء) پاکستان میں "وین کارڈ" نامی ادارہ نے شائع کیا ہے۔ اس کے شروع میں جناب عاشق حسین بٹالوی اپنے "نوٹ از مرتب" میں چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے متعلق تحریر کرتے ہیں:۔

"ان کی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز خاموش اور نئے حالات و ترقی سے لاتعلق علاقہ پنجاب کے شہر سیالکوٹ سے ہوا جہاں آپ نے مختصر سے عرصہ کے لئے بطور وکیل پریکٹس کی۔ اس عملی زندگی کا اختتام ہیگ میں ہوا جہاں انہوں نے عالمی عدالت انصاف کے ایک ممتاز صدر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ ان دونوں (انتہائی) منصبوں کے درمیان انہوں نے عظیم رفعت اور شہرت کے حامل مرتبے حاصل کئے..... وہ (انگریزی) راج کے زمانہ میں وائسرائے کی کونسل کے ممبر رہے۔ ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے جج بنے، چیانگ کائی شیک کے عہد اقتدار میں انڈین گورنمنٹ کے نمائندہ کے طور پر کام کیا۔ پاکستان کے وزیر خارجہ مقرر ہوئے اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے"

اور ایسی رفعتوں اور ایسے مرتبوں کو حاصل کرنے کے باوجود چوہدری صاحب کیسی بے لوث اور بے نفس ہستی تھے اس کے متعلق جناب عاشق حسین بٹالوی اپنے نوٹ کے آخر میں رقم کرتے ہیں۔

"ان یادداشتوں کے صفحات سے جو شخصیت ابھر کے سامنے آتی ہے وہ ایک دلآویز شخصیت ہے۔ ایک ایسا انسان جو شریف النفس ہے۔ اپنے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کرتا بلکہ شاید کسی حد تک اپنے حال میں مست ہے یا پھر کم از کم نہایت کم گو ہے جس نے اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ اچھے کام انجام دینے کی کوشش کی ہے اور کبھی خودنمائی سے کام نہیں لیا"

حقیقت چھپ نہیں سکتی

اب ہم قارئین کرام کے سامنے قیام پاکستان کے فیصلہ کن مرحلے کا ایک اہم باب رکھتے ہیں۔ اگرچہ صوبہ پنجاب واضح مسلم اکثریت کا صوبہ تھا لیکن انگریز اور ہندو کی پاکستان دشمنی نے یہ گل کھلایا کہ صوبہ پنجاب کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا اور اس کے لئے جون 1947ء میں ایک حد بندی (بونڈری) کمشن مقرر کیا گیا جس کا سربراہ انگریزی حکومت نے ریڈ کلف کو مقرر کیا۔ قائداعظم نے اس کمشن کے سامنے مسلم لیگ کا موقف واضح اور ثابت کرنے کے لئے چوہدری محمد ظفر اللہ خان کو وکیل مقرر فرمایا۔ انتہائی کم وقت اور مواد نہ میسر ہونے کے باوجود آپ نے بڑی عرق ریزی اور بے لوثی کے ساتھ یہ خدمت سرانجام دی۔ چنانچہ "نوائے وقت" کے فاضل بانی مدیر جناب حمید نظامی نے لکھا "سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کو کیس کی تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا مگر اپنے خلوص

اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلا لحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف اور شکر گزار ہونگے"۔ (نوائے وقت یکم اگست 1947ء)

لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ خدا واسطے کا بیر ہونا۔ خدائی فوجداروں کے پیشہ ور ٹولے نے چوہدری صاحب کی اس زبردست خدمت اور وکالت کا جو "اعتراف اور شکریہ" ادا کیا اور جس طرح پنجاب کی "تحقیقاتی عدالت" (1953ء) کے سامنے اس کا "بے باکانہ" اظہار کیا۔ اس پر عدالت مذکور کے پریذیڈنٹ جسٹس محمد منیر، جو پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے، نے مندرجہ ذیل ریمارکس دیئے۔

"......عدالت ہذا کا صدر (جسٹس محمد منیر۔ ناقل) جو اس کمشن (بونڈری کمشن۔ ناقل) کا ممبر تھا۔ اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خان نے گورداسپور کے معاملے میں کی تھی۔ یہ حقیقت بونڈری کمشن کے کاغذات میں ظاہر و باہر ہے اور جس شخص کو اس مسئلے سے دلچسپی ہے وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں ان کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالتی تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک ناشکرے پن کا ثبوت ہے"۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ 209)

ناشکروں سے ایک سوال

جسٹس محمد منیر نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں جن کوتاہ نظروں کے ناشکرے پن کا اظہار کیا ہے ان پر واضح ہو کہ حد بندی کمشن کا تقرر جون 1947ء میں کیا گیا تھا اور اس کے ظالمانہ فیصلے کا اعلان 16 اگست 1947ء کو کر دیا گیا تھا۔ اب اگر خدانخواستہ چوہدری صاحب نے اس کیس کو بگاڑا تھا جیسا کہ کم فہم معترضین کہتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے چند ماہ بعد یعنی دسمبر 1947ء میں خود بابائے قوم بانی پاکستان حضرت قائداعظم نے چوہدری صاحب کو کابینہ میں وزیر خارجہ کا اہم عہدہ سونپ دیا۔ کیا یہ سیاسی اور ذہنی بونے قائداعظم جیسے مسلمہ اور قد آور لیڈر اور فراست و دانش کے پیکر سے زیادہ دور رس اور باخبر نگاہ رکھنے کے دعویٰ کی جسارت کر سکتے ہیں؟

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ!!

بہرحال اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وطن عزیز میں ایسے سیاسی قائدین و معززین اور حقیقت پسند صحافی حضرات کی بھی کمی نہیں جو غیر جانبدار اور بغض و عناد سے پاک نظریات رکھتے ہیں جیسا کہ ہم جناب م ش کی تحریر سے ایک اقتباس درج کر چکے ہیں۔ اسی طرح کی کچھ اور نسبتاً نئی تحریروں کے حوالے سے وطن عزیز کے لئے چوہدری صاحب کی بے لوث اور مثالی خدمات کی کچھ مزید تفصیلات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

بونڈری کمیشن سے متعلق کچھ وضاحت

جیسا کہ واقعات نے بعد میں ثابت کر دکھایا انگریز کی طرف سے مقرر کردہ "بونڈری کمیشن" انگریز اور ہندو کی ملی بھگت کو عملی جامہ پہنانے کا ایک ڈھونگ تھا۔ دراصل ہندوستان کے آخری انگریز وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن (جو آزاد ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل بنا اور جس نے پاکستان میں بھی اسی طرح کے قدم جمانے کی کوشش کی اور خواہش

کی لیکن مسلمانوں کے عظیم قائد نے اس کی جاہ طلبی کی اس کوشش کو خاک میں ملا دیا) نے کمشن کے سربراہ ریڈکلف کو ساتھ ملا کر پاکستان کے جائز حق کو پامال کرنے کی سازش کی تھی اور ہندوستان کے حق میں فیصلہ کرادیا۔ اس سلسلے میں کشمیری قلمکار کلیم اختر کا ایک مضمون "خان لیاقت علی خان۔ ان کا سیاسی عہد اور مسئلہ کشمیر" نوائے وقت کی 18 اکتوبر 1988ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیے۔

1۔ "برطانوی حکومت کی ہمدردیاں بھارت کے ساتھ تھیں۔ لارڈ لوئی مونٹ بیٹن جو ہندوستان میں برطانوی حکومت کے آخری وائسرائے تھے، بھارت کے پہلے گورنر جنرل بن چکے تھے۔ انہوں نے بھارت نوازی میں پنجاب بونڈری کمیشن کے انگریز جج لارڈ ریڈکلف سے سازش کر کے پنجاب بونڈری کمیشن کے فیصلے کو بدلوالیا تھا۔ اس کمشن کے ایک رکن لالہ مہر چند مہاجن کے ساتھ مہارانی کشمیر تارا دیوی نے ساز باز کرلی تھی اور اسے ریاست جموں و کشمیر کا وزیر اعظم بنانے کا وعدہ کیا تھا جو 1947ء اکتوبر میں پورا کردیا گیا اور یوں بھارت کا ریاست جموں و کشمیر سے الحاق کرانے کے لئے پٹھان کورٹ کی وساطت سے راستہ مہیا کردیا گیا تھا۔ اس سے قبل بھارت اور ریاست کشمیر کے مابین کوئی راستہ نہیں تھا۔ ریاست کو برصغیر سے ملانے کے جو راستے تھے وہ پاکستان کی سمت ہی سے جاتے تھے"۔

2۔ پھر پروفیسر کریم بخش نظامانی اپنے مضمون "کشمیر اور انگریز کی مسلم دشمنی" مطبوعہ "نوائے وقت" 20 فروری 1990ء میں تحریر فرماتے ہیں "سر ریڈکلف کی انتہائی بد ایمانی اور بددیانتی سے مسلم اکثریت کا ضلع گورداسپور اگر بھارت کے سپرد نہ کیا جاتا تو بھارت کا کشمیر سے کوئی زمینی رابطہ نہ ہوتا اور مسئلہ کشمیر ہی نہ ہوتا"۔

آگے چل کر لکھتے ہیں "قائداعظم نے اس فیصلے کو غیر منصفانہ، ناقابل فہم اور انصاف و شہادت کے منافی قرار دیا۔ پاکستان کی طرف سے یہ بھی الزام لگایا گیا کہ حد بندی کمیشن کا فیصلہ اشاعت سے پہلے وائسرائے کے دفتر میں تبدیل کیا گیا ہے۔ ثبوت کے طور پر وائسرائے کے دفتر سے متعلق افسروں کا ایک خط بھی پیش کیا گیا"۔

مسئلہ کشمیر کی لاجواب وکالت

"جنوری 1948ء میں بھارت مدعی بن کر مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں لے گیا۔ لیکن پاکستانی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان نے اس مسئلہ پر ایسی فاضلانہ اور مدلل بحث کی کہ بھارت کو لینے کے دینے پڑ گئے

چوہدری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان اپنی کتاب "ظہور پاکستان" کے صفحہ 360 پر رقمطراز ہیں "سلامتی کونسل نے 15 جنوری 48ء کو ہندوستان کی شکایت اور پاکستان کے جواب کی سماعت شروع کی۔ ظفر اللہ خان نے مقدمہ کی ایسی اعلیٰ وکالت کی کہ سلامتی کونسل کو یقین آگیا کہ مسئلہ کشمیر محض کشمیر کے نام نہاد حملہ آوروں کو نکال دینے کا نہیں (جیسا کہ ہندوستان کا نمائندہ اسے باور کرانا چاہتا تھا) بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کو منصفانہ اور پرامن اساس پر استوار کیا جائے۔ اور تنازعہ کشمیر کو عوام کی مرضی کے مطابق حل کیا جائے"۔ واضح رہے کہ چوہدری صاحب نے اقوام متحدہ میں کشمیر

کیس کئی مرتبہ جیتا اور اقوام متحدہ نے ہر دفعہ کشمیر میں رائے شماری کرانے پر زور دیا۔

اس وقت حمید نظامی صاحب کے نوائے وقت نے لکھا

"ہندوستان نے کشمیر کا قضیہ یو این او میں پیش کردیا۔ چوہدری صاحب پھر نیویارک پہنچے۔ 4 فروری 48ء کو آپ نے یو این او میں دنیا بھر کے چوٹی کے دماغوں کے سامنے اپنے ملک و ملت کی وکالت کرتے ہوئے مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے تقریر کی۔ ظفراللہ کی تقریر ٹھوس دلائل اور حقائق سے لبریز تھی...... کشمیر کمشن کا تقرر ظفراللہ کا ایسا کارنامہ ہے جسے مسلمان کبھی نہ بھول سکیں گے"۔ (نوائے وقت 24 اگست 48ء)

پھر جناب حمید نظامی لکھتے ہیں۔

"آپ نے ملک و ملت کی جو شاندار خدمات سر انجام دیں تو قائد اعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہوگئے جو باعتبار منصب وزیر اعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے۔

قائداعظم نے چوہدری صاحب کو بلا تامل پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ بنا دیا لیکن ظفراللہ کے ہاتھوں وہ زبردست کارنامہ انجام دینا باقی تھا جس سے اس کا نام تاریخ پاکستان میں ہمیشہ زندہ رہے گا" (یعنی اقوام متحدہ میں کشمیر کے مسئلہ کی لاجواب وکالت۔ ناقل)

تاریخ ساز فتح

جناب حمید نظامی نے بالکل درست تحریر فرمایا تھا کہ چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کا ایک نہایت ہی عظیم اور انسٹ کارنامہ بھارت کے مقابلہ میں کشمیر کیس جیتنا تھا۔ جیسا کہ عوام و خاص کو معلوم ہے کہ جب بھارت نے دیکھا کہ میدان جنگ (1947ء) میں کشمیری مجاہدین اور قبائلی جیالے کشمیر کے ہندو راجہ ہری سنگھ کی افواج کو ذرہ بھر بھی خاطر میں نہیں لا رہے اور وادی کشمیر میں فتح کے ڈنکے بجاتے چلے جا رہے ہیں اور کشمیر کا ایک حصہ آزادی پا چکا ہے (جو آزاد کشمیر کہلایا) تو وہ فوراً مدعی بن کر اقوام متحدہ میں پہنچا اور یہ واویلا کیا کہ پاکستان نے کشمیر میں جارحیت کا ارتکاب کیا ہے اس لئے پاکستان کو ملزم اور جارح قرار دیا جائے اور اسے کشمیر کے علاقے سے بے دخل کیا جائے۔ بھارت نے اقوام متحدہ میں یہ مقدمہ جیتنے کے لئے اپنی چوٹی کے دماغ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھجوائے تھے۔ اس سلسلہ میں معروف کشمیری مضمون نگار کلیم اختر اپنے مضمون "مقبوضہ کشمیر میں تحریک اور حکومت آزاد کشمیر کا کردار" مطبوعہ نوائے وقت (88-10-30) میں رقم طراز ہیں۔

"جنوری 1948ء میں بھارت نے سلامتی کونسل میں پاکستان کے خلاف درخواست دے دی۔ بھارت کی نمائندگی سر گوپالا سوامی آئینگر نے کی جو ایک وقت میں ریاست کے وزیر اعظم رہ چکے تھے...... بھارتی وفد میں شیخ عبداللہ تھے جن کے سیکرٹری درگا پرشاد دھر تھے جو ازاں بعد بھارت کے مشہور ڈپلومیٹ ہوئے اور روس میں بھارت کے سفیر اور بھارت کے وزیر خارجہ بھی رہے۔ پاکستانی وفد کی قیادت وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفراللہ خان نے کی"۔ اور اس عالمی فورم پر پاکستان کے مایہ ناز فرزند اور وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفراللہ خان نے بھارت کو کیسی شکست دی اس کی ایک جھلک کشمیری مضمون نگار کلیم اختر

ہی کے ایک دوسرے مضمون "خان لیاقت علی خان، ان کا سیاسی عہد اور مسئلہ کشمیر" مطبوعہ نوائے وقت (88۔10۔18) میں ملاحظہ فرمائیے۔

"یہ حقیقت ہے کہ سلامتی کونسل میں بھارت کو شکست ہوئی۔ بھارت کی شکایت یہ تھی کہ پاکستان قبائلیوں اور مجاہدین کی امداد کر رہا ہے۔ اس لئے اسے جارح قرار دیا جائے۔ مگر سلامتی کونسل میں وزیر خارجہ پاکستان نے مسئلہ کشمیر کی تاریخ اور تحریک کو بیان کر کے بھارت کے موقف کی دھجیاں اڑادیں اور سلامتی کونسل نے یہ فیصلہ دیا کہ جموں و کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ عوام استصواب رائے عامہ سے کریں گے"۔

پنڈت نہرو کا واویلا

کشمیر کیس میں ہندوستان پر چوہدری صاحب کی ضرب اتنی شدید تھی کہ پنڈت نہرو وزیر اعظم ہندوستان واویلا کرنے لگے کہ ظفر اللہ خان نے عالمی سطح پر میرا منہ کالا کر دیا ہے۔ ("آتش فشاں" مئی 1981ء)

لگتا تھا دیکھنے میں جو انسان کم سخن
جب بولنے پہ آیا زمانے پہ چھا گیا

چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی کشمیر کیس کے معاملہ میں بھارت کے مقابلے پر یہ تاریخی فتح اتنی عظیم الشان اور ناقابل فراموش ہے کہ جب بھی کوئی قلم کار مسئلہ کشمیر پر اظہار خیال کرتا ہے تو وہ لازماً پاکستان کی اس فتح کا شاندار الفاظ میں ذکر کرتا ہے اور آج چوالیس سال گزرنے کے بعد بھی یہ بے مثال فتح ہر لحاظ سے قابل ذکر اور قابل تحریر سمجھی جاتی ہے۔

پروفیسر کلیم عنایت اللہ سوہدری اپنے مضمون "مسئلہ کشمیر فیصلہ کن موڑ پر" مطبوعہ نوائے وقت (90۔2۔26) میں 1947ء کے معرکہ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"بھارت نے صورت حال سے گھبرا کر مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا اور الزام لگایا کہ پاکستان جارحیت کا مرتکب ہو رہا ہے۔ جب پاکستانی نمائندہ نے جوابی بیان میں حقائق بیان کئے تو بھارتی دعویٰ کی قلعی کھل گئی۔ اگرچہ بھارت کی سیاسی چال تھی کہ وہ کشمیر پر اپنا تسلط قائم رکھے مگر سلامتی کونسل نے فیصلہ کیا کہ اقوام متحدہ کی زیر نگرانی اس امر پر استصواب رائے ہوگا کہ ریاست کشمیر کے عوام ریاست کا الحاق پاکستان سے چاہتے ہیں یا بھارت سے"۔

اسی طرح تحریک آزادی کشمیر کے ایک کارکن پروفیسر محمد اسحٰق قریشی کا ایک مفصل مضمون "کشمیری حریت پسندوں کی منزل کہاں ہے" مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت (90۔2۔21) میں شائع ہوا جس میں پروفیسر موصوف لکھتے ہیں۔

"بھارت جنگ بندی کرانے میں تو کامیاب ہو گیا لیکن اسے اپنے اصل مقصد میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان کو کشمیر میں مداخلت کار ٹھہرانے کے مدعی بھارت کو اقوام متحدہ کے کمشن کو کشمیر کی دونوں اطراف کا دورہ کرنے کے فارمولے کو تسلیم کرنا پڑا" آگے چل کر لکھتے ہیں

"بھارت کی ابتداء سے یہی چال رہی ہے کہ جھگڑا بھی خود پیدا کرو اور رام دہائی کا واویلا بھی خود ہی کرو۔ 1948ء میں بھارت نے یہی کیا تھا۔ کشمیر پر فوجی مداخلت اور قبضہ کا ارتکاب کر کے اقوام متحدہ میں مقدمہ دائر کر دیا کہ پاکستان نے بھارت کے اندر تخریب کاری کی ہے۔ ان تخریب کاروں کو کشمیر سے باہر نکالنے کا انتظام کیا جائے۔ یہ تو پاکستان کی حکومت اور اس کے اقوام متحدہ میں مندوب کی بے مثال کارکردگی اور وکالت کا نتیجہ تھا کہ اقوام عالم نے بھارت کی جارحیت کا صحیح ادراک کر لیا اور پاکستان کو تنازعہ کا فریق بنا کر ریاست جموں و کشمیر کو ایک متنازعہ مسئلہ قرار دیا اور ریاست کشمیر میں استصواب رائے کو تنازعہ کے حل کا واحد راستہ قرار دیا۔ بھارت نے دنیا کو فریب دینے کا جو منصوبہ بنایا وہ اپنی پہلی منزل پر ناکام ہو گیا"۔

لطف کی بات یہ ہے کہ پاکستانی وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے اقوام متحدہ کے سامنے کشمیر کا کیس کئی بار جیتا اور ہر دفعہ ایسے زبردست دلائل دیئے اور بھارت کی ہٹ دھرمی کو ایسا طشت از بام کیا کہ اقوام متحدہ نے مسئلہ کشمیر کے حل کے متعلق یہی فیصلہ دیا کہ کشمیریوں کو استصواب رائے کا حق دیا جائے اور وادی کشمیر میں رائے شماری کرائی جائے۔ چنانچہ روزنامہ نوائے وقت اپنے 28 جنوری 1990ء کے اداریہ "کشمیر شملہ معاہدہ نہیں، اقوام متحدہ کی قرارداد" میں لکھتا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کا فیصلہ کسی معاہدے پر مذاکرات کے ذریعے نہیں بلکہ خود کشمیریوں کی رائے سے ہو سکتا ہے جس کی گنجائش اقوام متحدہ کی پہلی قرارداد سے لے کر آخری قرارداد تک میں موجود ہے۔ شملہ معاہدہ میں کیا لکھا ہے یا کیا نہیں لکھا، اس سے آج تک کوئی باخبر نہیں ہو سکا جب کہ عالمی ادارے میں ہر چیز ریکارڈ پر موجود ہے اور واضح طور پر اس موقف کا اظہار کیا گیا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ استصواب رائے کے ذریعے حل ہو گا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بھارت یا پاکستان کے ساتھ الحاق کے بارے میں خود اہل کشمیر ہی کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں"۔

پاکستان کے فرزند جلیل چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی پاکستان اور کشمیر کے حق میں زبردست و کامیاب وکالت کے نتیجے میں اہل کشمیر کے لئے اقوام عالم نے انتہائی غیر جانبدارانہ اور صحیح فیصلہ صادر کیا اور اسے ہر لحاظ سے ایک اصولی اور حتمی فیصلہ کہا جا سکتا ہے اور آج بھی جب کہ کشمیری قوم اپنی آزادی کے لئے پھر سے مجاہدانہ جدوجہد میں معروف ہے پاکستان کے گوشے گوشے سے اقوام متحدہ کی متذکرہ قراردادوں کا حوالہ دیا جا رہا ہے اور پاکستان کے اخبارات، عوامی لیڈر اور حکومتی عہدیدار باصرار مطالبہ کر رہے ہیں کہ مسئلہ کشمیر کا واحد اور حقیقی حل یہی ہے کہ کشمیریوں کو حق خود ارادیت دیا جائے۔

(1) انگریزی اخبار "ڈان" کراچی کا اداریہ بعنوان "کشمیر میں بلچل" (مورخہ 28 جنوری 1990ء) "اقوام متحدہ نے اس قضیے کا فیصلہ اس اصول کے مطابق کیا کہ یہ عوام کا حق ہے کہ وہ اس امر کا فیصلہ کریں کہ وہ دونوں ممالک میں سے کس کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں...... 30 مارچ 1951ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک اور قرارداد پاس کی جس میں اس بات کا پھر سے اقرار کیا گیا کہ ریاست جموں و

کشمیر کی قسمت کا فیصلہ لوگوں کی مرضی کے مطابق کیا جائے گا جس کا اظہار اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہونے والی آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعے ہوگا"۔

(ب) روزنامہ جنگ 15 جنوری 1990ء کا اداریہ بعنوان "مسئلہ کشمیر کا واحد حل" "مقبوضہ کشمیر لبریشن فرنٹ نے بھارتی حکومت سے مذاکرات کی دعوت کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسئلہ کشمیر کا واحد حل اس وادی میں آزادانہ استصواب رائے ہے..... اقوام متحدہ نے اس سلسلہ میں متعدد قراردادیں پاس کیں لیکن بھارتی حکمرانوں کی گرفت جوں جوں مضبوط ہوتی گئی وہ اپنے وعدے سے منحرف ہوتے گئے..... کشمیری حریت پسندوں نے اپنے خون کی لو سے مسئلہ کشمیر کو زندہ کیا ہے اس لئے انہیں کشمیر میں رائے شماری کے علاوہ کسی اور حل کو قبول نہیں کرنا چاہیئے"۔

(ج) کشمیر کانفرنس کے مقررین سے متعلق ایک خبر "کشمیر میں استصواب رائے کے فیصلے پر عمل درآمد کے لئے اس مسئلے کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا جائے۔ ان خیالات کا اظہار آج ادارہ "نوائے وقت" کے زیر اہتمام الحمرا ہال میں نوابزادہ نصراللہ خان کی زیر صدارت منعقدہ کشمیر کانفرنس میں مقررین نے کیا۔ (ممتاز مقررین اور شرکاء کے نام ملاحظہ فرمائیے۔ ناقل) پاکستان جمہوری پارٹی کے صدر نوابزادہ نصراللہ خان، وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان، سابق صدر آزاد کشمیر سردار محمد ابراہیم خان، تحریک استقلال کے سربراہ ائر مارشل (ریٹائرڈ) محمد اصغر خان، آزاد کشمیر اسمبلی میں قائد حزب اختلاف ریٹائرڈ میجر جنرل محمد حیات، جمیعت علماء اسلام کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالستار خان نیازی، جماعت اسلامی پاکستان کے نائب امیر پروفیسر خورشید احمد، آزاد جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے صدر بیرسٹر سلطان محمود، پنجاب اسمبلی کے سپیکر میاں منظور احمد وٹو، سابق جنرل مجید ملک، مظفر آباد یونیورسٹی کے پروفیسر خان زمان مرزا....." (وغیرہ) (نوائے وقت 29 جنوری 1990ء)

جیسا کہ اوپر کے حوالوں سے پوری طرح ظاہر ہوچکا ہے پاکستان کے اہل علم و قلم نے اس بات پر پورا پورا زور دیا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ صرف اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کیا جائے۔

ملک کے منجھے ہوئے سیاست دان اور حکومت کے عہدے داران اس بارے میں ایک ہی رائے رکھتے ہیں جس کی خبریں قومی اخبارات میں برابر آتی رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم بعض سرکردہ شخصیات کے نام اور اخبار کا حوالہ درج کرنے پر اکتفا کریں گے۔ (ان شخصیتوں کے عہدے ان کے بیان دینے والی تاریخوں کے مطابق درج کئے گئے ہیں۔ ناقل)

(1) امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد
(نوائے وقت 90-1-4)

(2) وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب خان۔
(پاکستان ٹائمز 90-1-5)

(3) صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان۔
(نوائے وقت 90-1-21)

(4) وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان۔
(نوائے وقت 90-1-6)

(5) متحدہ اپوزیشن کے سربراہ غلام مصطفیٰ جتوئی۔
(اداریہ نوائے وقت 90-1-21)
(6) وزیراعظم پاکستان بے نظیر بھٹو
(نوائے وقت 90-1-22)
(7) نوائے وقت کے زیر اہتمام قومی کشمیر کانفرنس
(نوائے وقت 90-1-29)
(8) وزیر مذہبی امور خان بہادر خان
(نوائے وقت 90-3-2)
(9) پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین علامہ طاہر القادری
(نوائے وقت 90-3-3)
(10) میر واعظ مولوی فاروق، مقبوضہ کشمیر
(نوائے وقت 90-2-3)
(11) م ش کی ڈائری
(نوائے وقت 90-2-3)

معروف بزرگ صحافی م ش اپنی ڈائری میں زیر عنوان "کوئی تو قومی پرچم لے کر نکلے" لکھتے ہیں۔

"اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کی قرارداد مجریہ 5 جنوری 1949ء کے مطابق جس پر سوویت روس کے دستخط ہیں اصولی طور پر نہ صرف مقبوضہ ریاست جموں اور کشمیر بلکہ آزاد جموں اور کشمیر کے عوام کا یہ حق محفوظ ہے کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کہ آیا وہ پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں یا بھارت سے رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں...... افسوس اس امر کا ہے کہ اس وقت پاکستان میں کوئی محمد ظفر اللہ خان موجود نہیں اور تو اور ایوب کھوڑو بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ سر محمد ظفر اللہ خان جنہوں نے سیکورٹی کونسل کے سامنے کشمیر کا کیس پیش کیا تھا اور ایوب کھوڑو جو ان کے اس معاملے میں دست راست تھے کشمیر کے معاملے کی ایک ایک شق سے آگاہ تھے اور انہیں اس مسئلہ کے قانونی، بین الاقوامی، اخلاقی، سیاسی اور ڈپلومائی حقائق کا مکمل علم تھا"۔

اگرچہ پاکستان کا یہ مخلص اور ذہین و فطین فرزند 1954ء میں وزارت خارجہ سے سبکدوش ہوگیا اور عالمی عدالت انصاف کا جج بن کر بیرون ملک رہائش پذیر ہوگیا لیکن اس کے دل اور روح سے پاکستان کے لئے سچی محبت اور خیر اندیشی کبھی کم نہ ہوئی۔ چنانچہ 1981ء میں "آتش فشاں" کو دیئے گئے انٹرویو میں چوہدری صاحب فرماتے ہیں "میں ہر روز اور کئی بار پاکستان کی خوشحالی کے لئے دعا کرتا ہوں"۔ ("آتش فشاں" مئی 81ء صفحہ 17)

پاکستان کا بطل جلیل عالم اسلام کا مسلمہ وکیل، اقوام متحدہ کا مرد جری اور احمدیت کا یہ عظیم سپوت (چوہدری محمد ظفر اللہ خان) نہایت پاکباز کامیاب اور پروقار زندگی گزار کر یکم ستمبر 85ء کو ترانوے سال کی عمر میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوگیا۔

خوب طے تو نے کیا اپنا سفر سوئے معاد
زندہ باد و زندہ باد۔ زندہ باد و زندہ باد

غم واندوہ کی لہر

ہمارے یہاں مذہبی منافرت اور بغض و کینہ کی روز افزوں فضا کے باوجود چوہدری صاحب کی آخری علالت کے دوران ملکی و غیر ملکی اکابر جن میں عرب اسلامی ممالک کے سفرا اور حکومتی نمائندے بھی شامل تھے چوہدری

صاحب کی عیادت کے لئے ان کی رہائش گاہ پر صبح و شام آتے جاتے رہے اور پھر جب ان کی روح اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی تو سارے ملک میں غم و اندوہ کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ ہر انصاف پسند، حق پرست اور غیر متعصب حلقے کی طرف سے آپ کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے آپ کی خدمات جلیلہ کو سراہا گیا اور جرائد و رسائل نے آپ کی خدمات کو دہرایا، گنوایا اور سراہا۔ مختصراً یہاں دو تین اخبارات کے حوالے درج کئے جاتے ہیں۔

(1) پندرہ روزہ رسالہ "تقاضے" کے اداریہ کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

"چوہدری ظفر اللہ خان کی خدمات" کے زیر عنوان لکھا ہے، "یکم ستمبر 1985ء کو دنیا کا ایک عظیم انسان ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان کی وفات بظاہر ایک شخص کی وفات ہے لیکن اس ایک شخص میں کتنے عالم تھے جن پر وہ چھایا ہوا تھا۔ اس کا اندازہ انہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جو شخصیات و واقعات کا مطالعہ باریک بینی و وسیع النظری سے کرتے ہیں...... اتنے اہم اور معزز عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود ان میں تکبر یا اپنے آپ کو کچھ سمجھنے کا جذبہ نام کو نہ تھا...... ان کی زبان اور قلم دونوں بڑے محتاط تھے۔ ہماری نظر سے جو تحریریں ان کی گزری ہیں ان میں انہوں نے اپنے مخالفین کا ذکر بھی بڑی عزت و تکریم سے کیا ہے۔ بلاشبہ یہ ظرف دنیا کے عظیم انسانوں ہی کے حصہ میں آتا ہے۔ مذہبی اختلافات ایک جگہ لیکن حقائق کا انکار انصاف اور اسلام دونوں کے خلاف ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس میں مبالغہ کا شائبہ تک نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ دوسرے تعصب اور تنگ نظری کو اسلام سمجھتے ہیں اور ہم اعتراف حقیقت کو اسلام قرار دیتے ہیں"۔

("تقاضے" یکم اکتوبر 1985ء)

"نوائے وقت" مورخہ 2 ستمبر 1985ء "حالات زندگی" صفحہ 7۔

(ب) "آپ 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر رہے۔ دونوں گول میز کانفرنسوں میں مسلمانان ہند کی نمائندگی اور ان کے حقوق کے لئے تاریخی وکالت کی۔ اقوام متحدہ کے مستقل مندوب کی حیثیت میں چوہدری صاحب نے افریقہ اور عالم اسلام کے ممالک خصوصاً مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کی گراں بہا خدمات انجام دیں اور آپ کی مخلصانہ وکالت کے نتیجے میں مراکش، الجزائر، اور لیبیا کو آزادی اور خود مختاری حاصل ہوئی۔ تیونس، اردن اور مراکش نے آپ کو اپنے سب سے بڑے نشان اعزاز سے نوازا۔ اقوام متحدہ سے (وفد برائے فلسطین) کی واپسی پر آپ کو حضرت قائد اعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا۔ آپ اس عہدے پر سات سال تک فائز رہے"۔

(ج) روزنامہ جنگ مورخہ 2 ستمبر 1985ء کا اداریہ

"سر ظفر اللہ خان کی رحلت" کا ایک حصہ۔ "سر ظفر اللہ خان نے سیاست، مذہب اور بین الاقوامی قانون پر متعدد کتابیں لکھیں۔ انہوں نے اردو اور انگریزی میں اپنی سوانح عمری بھی لکھی۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا۔ ان کی موت ایک سیاسی رہنما، ایک دانشور اور تحریک پاکستان کے ایک سرگرم رہنما کی موت ہے"۔

(د) ڈان انگریزی (مورخہ 3 ستمبر 1985ء) نے ایک زبردست اداریہ بعنوان "چوہدری ظفراللہ خان" لکھا جس کا پہلا فقرہ یہ ہے۔

"چوہدری ظفراللہ خان، جو پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ اور عالمی عدالت انصاف کے سابق جج تھے، کی وفات سے ملک ایک ایسی شخصیت سے محروم ہوگیا ہے جس کا شمار اس کی ممتاز ترین بین الاقوامی شہرت رکھنے والی ہستیوں میں ہوتا ہے"۔

پاکستان ٹی وی کا نشریہ

محتاط ترین رویہ اختیار کرنے کی ہدایات کے باوجود پاکستان ٹیلی ویژن یکم ستمبر85ء کی رات کو اپنے خبرنامے میں یہ خبر نشر کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"آزادی کے بعد چوہدری صاحب کو پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ وہ 54ء تک اس عہدے پر فائز رہے...... انہیں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا صدر اور بین الاقوامی عدالت انصاف کا صدر منتخب ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ چوہدری صاحب سیاسیات سے لے کر بین الاقوامی قانون تک 18 کتابوں کے مصنف تھے...... صدر مملکت محمد ضیاءالحق نے چوہدری ظفراللہ خان کی وفات پر ان کی بیٹی کے نام تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ وہ طویل اور ممتاز کیریر (CAREER) کے مالک بزرگ سیاستدان تھے۔ انہوں نے قانون دان کے طور پر بڑی عزت پائی۔ وہ اپنی قانونی فہم و فراست کی وجہ سے معروف حیثیت کے مالک تھے۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے انہوں نے کئی بین الاقوامی کانفرنسوں اور اقوام متحدہ میں ملک کی بڑی اچھی نمائندگی کی۔ صدر مملکت نے کہا کہ ان کے انتقال سے ملک ایک ممتاز شہری سے محروم ہوگیا ہے۔ رب کریم سے دعا ہے کہ وہ ان کی روح کو سکون پہنچائے"۔ القصہ یہ تھا وہ نابغہ عظیم

ظفراللہ خان قائد اعظم کا دست راست
عالم پر اپنی دھاک بٹھا کر چلا گیا

بقیہ از ص---- ۱۸

دل سے حق کو بھلا دیا ہیہات
دل کو پتھر بنالیا ہیہات

مولانا صاحب نے اصل اشعار میں جہاں جہاں ترمیم کی ہے کوثر و تسنیم میں دھلے ہوئے کلام کا حسن غارت ہوگیا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پوری نظم میں عیسائیوں سے خطاب ہے اور اس کے آخری چار شعر یہ ہیں۔

اس کے منکر جو بات کہتے ہیں
یوں ہی اک واہیات کہتے ہیں
بات جب ہو کہ میرے پاس آویں
میرے منہ پر وہ بات کہہ جاویں
مجھ سے اس دلستاں کا حال سنیں
مجھ سے وہ صورت و جمال سنیں
آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی
نہ سہی یوں ہی امتحان سہی

خدام کے نام ایک گذارش

یہ نظم جرمنی میں منعقدہ ایک جلسہ میں پڑھی گئی

آج خدام سے اک اپنی گزارش ہوگی
بات اگر غور سے سن لیں تو نوازش ہوگی

ہیں یہاں حسن و لطافت کے نظارے دلکش
رنگ جتنے بھی ہیں دنیا کے وہ سارے دلکش

حسن بھی جام شفق رنگ میں ڈھلتا ہے یہاں
اک نیا چاند سر شام نکلتا ہے یہاں

میں نے یاقوت سے چہروں کو بہکتے دیکھا
میں نے مرجان سے جسموں کو بھٹکتے پایا

حسن ہے، جام ہے، دعوت ہے، پری خانے ہیں
ہر طرف بکھرے ہوئے عیش کے افسانے ہیں

کیا تعلق ہے مگر تم کو پری خانوں سے
بچ کے رہنا ہے تمہیں زہر کے پیمانوں سے

یاد رکھنا یہاں کس کی طلب لائے ہو
گھر سے کیوں نکلے ہو، پردیس میں کیوں آئے ہو

تم نے چھوڑا ہے وطن حضرت احمد کے لئے
تم پہ ٹوٹے ہیں ستم اسم محمدؐ کے لئے

اپنے ماں باپ کو، احباب کو چھوڑ آئے ہو
اک تعلق تھا جو دنیا سے وہ توڑ آئے ہو

بیٹیاں، بہنیں تسلی کو ترستی ہیں وہاں
کتنی مائیں ہیں جو روتی ہیں تڑپتی ہیں وہاں

شب کو سرگوشیاں کرتے ہیں ستارے ان سے
ٹوٹ سکتے نہیں پیوند تمہارے ان سے

دھیان پیچھے کا رہے ہوش رہے آگے کا
دین سوئی ہے مسلماں ہے سرا دھاگے کا

دہر میں چاروں طرف آگ کا دریا ہے رواں
جس میں عصیان و جرائم کے بپا ہیں طوفاں

تم کو اس آگ کے دریا سے گزرنا ہوگا
اک نئی زیست کے ساحل پہ اترنا ہوگا

تم تو ہو امن کا پیغام زمانے کے لئے
تم کو کرنا ہے نیا کام زمانے کے لئے

تم کو جینا ہے تو مستقبل دوراں بن کر
تم کو ہر دیس میں رہنا ہے بہاراں بن کر

دہر میں احمد مرسل کی نشانی تم ہو
جس کو دہرائے گی دنیا وہ کہانی تم ہو

محمد اجمل جنانوی

حضرت ابو بکرؓ کی شجاعت و جوانمردی

(مضمون نگار مکرم ناصر احمد طاہر صاحب)

1

حضرت ابو بکرؓ کا نام عبداللہ اور کنیت ابو بکر تھی اور لقب صدیق اور عتیق تھا۔ والد کا نام عثمان (ابو قحافہ) اور والدہ کا نام سلمہ (ام الخیر) تھا۔

آپ تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ کا شمار مکہ کے بڑے بڑے اور امیر تاجروں میں ہوتا تھا۔ مکہ کے رہنے والے آپ کی دیانت، اچھے اخلاق، مہمان نوازی، عقلمندی اور اچھا مشورہ دینے کی خوبیوں کی وجہ سے آپ کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ قریش اور اس کے خاندانوں کی تاریخ کا جاننے والا آپ سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ قبیلہ قریش میں جو لڑائیاں ہوتیں ان کا فیصلہ بطور جج آپ ہی کیا کرتے تھے۔

آپ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ترین دوست تھے۔ جب آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی تھے جو مردوں میں سے سب سے پہلے بلا تردد ایمان لے آئے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ آیت تلاوت کی۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر)

کہ اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے اور تو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کیا خوب ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ اے ابو بکر تجھے بھی فرشتے یہ آواز دیں گے۔ (کنز العمال)

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین لوگوں میں شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آپ کے بارے میں یہاں تک فرما دیا

انّ من امنّ الناس علیّ فی صحبتہ و مالہ ابو بکر (ترمذی)

یعنی لوگوں میں سے مجھ پر سب سے زیادہ جس کی رفاقت اور مال احسان ہے وہ ابو بکر ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ سنا تو رو پڑے عرض کیا یا رسول اللہؐ

هل انا و مالی الا لک یا رسول الله

کہ کیا میرا وجود اور میرا مال آپؐ ہی کا نہیں ہے۔

آپ کے اوصاف حمیدہ کا شمار نہیں اور آپ کی خوبیوں کے مختصر اوراق متحمل نہیں ہو سکتے۔ قلم میں اتنی طاقت کہاں کہ آپ کی سیرت کا حق ادا کر سکے۔ آپ ہی کے بارہ میں حضرت مسیح موعود...... نے فرمایا

"والله انه کان ادم الثانی للاسلام و المظهر الاول لانوار خیر الانام وما کان نبیا و لکن کانت منه قوی المرسلین فبصدقه عادت حدیقه الاسلام الی زخرفه التام و اخذ زینته" (سر الخلافه روحانی خزائن جلد نمبر صفحه.٣٣٦)

اللہ کی قسم وہ یعنی (حضرت ابو بکر صدیق) اسلام کے لئے آدم ثانی تھے۔ اور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کے مظہر اول تھے۔ وہ نبی تو نہ تھے لیکن ان میں نبیوں والی طاقتیں پائی جاتی تھیں۔ پس ان کے صدق کی وجہ سے ہی گلشن اسلام نے اپنی مکمل خوبصورتی پائی اور زینت حاصل کی۔

پھر فرماتے ہیں "میں سچ کہتا ہوں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام کے لئے آدم ثانی ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکرؓ کا وجود نہ ہوتا تو اسلام بھی نہ ہوتا۔ ابو بکر صدیقؓ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اسلام کو دوبارہ قائم کیا۔ اپنی قوت ایمانی سے کل باغیوں کو سزا دی اور امن کو قائم کر دیا"۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 252)

نیز فرمایا "اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بہت سی نیکیاں ہیں اور ایسی برکات ہیں جن کا شمار ممکن نہیں اور ان کے مسلمانوں کی گردنوں پر احسانات کا ایسا بوجھ ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو بہت بڑا سرکش ہو"۔

"یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق سب صحابہ سے زیادہ بہادر اور متقیوں میں سے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب سے زیادہ پیارے ہیں"۔ (سر الخلافہ روحانی خزائن جلد نمبر صفحہ 339,338)

اس وقت ہم آپ کی شجاعت کی ایک جھلک آئندہ کے واقعات میں دیکھ سکیں گے۔

مومن صرف خدا تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زندگی میں بھی یہی بات نظر آتی ہے۔

ابن الدغنه کی پناہ واپس

کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر آپ نے ہجرت حبشہ کا ارادہ کیا اور روانہ ہو گئے۔ جب آپ مقام برک الغماد پہنچے تو ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے بتایا کہ میرے لوگوں نے مجھے نکال دیا ہے۔ اب ارادہ ہے کہ کسی دوسرے ملک جاؤں تاکہ خدا کی عبادت کر سکوں۔ اس نے کہا کہ تم سا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا۔ تم تو غریبوں اور کمزوروں کی مدد کرنے والے، مصیبت زدوں کے ہمدرد اور مہمان نواز ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن میں ہی خدا کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس مکہ آگئے۔ ابن الدغنہ نے مکہ آکر اعلان کر دیا کہ ابو بکرؓ میری

پناہ میں ہیں جس نے ان کو تنگ کیا میں اس سے لڑوں گا۔ آپ نے گھر کے صحن میں ہی مسجد بنالی وہیں نماز پڑھا کرتے اور قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔ تلاوت کے وقت آپ خدا کی محبت میں روتے جاتے۔ آپ کی آواز بھی بہت اچھی تھی۔ قریش کی عورتیں اور بچے آپ کے پاس جمع ہوجاتے قرآن کریم سنتے اور نماز پڑھتے دیکھتے۔ قریش کو ڈر ہوا کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے بھی مسلمان نہ ہوجائیں۔ انہوں نے ابن الدغنہ سے کہا کہ "ہم تمہاری وجہ سے ابو بکرؓ کو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اس طرح ان کے قرآن پڑھنے سے ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے بھی مسلمان ہوجائیں گے اس لئے ان کو روکو۔ اگر تم نہیں روکو گے تو ہم خود روک لیں گے"۔ ابن الدغنہ آپ کے پاس آیا اور آپ کو ساری بات بتائی۔ آپ نے کہا میں تمہاری پناہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن میں یہ نہیں کرسکتا۔ تم اپنی پناہ واپس لے لو میرے لئے اللہ کی پناہ کافی ہے۔

ہجرت مدینہ اور جنگ احد

آپ نے سب غزوات میں شرکت کی اور بڑی بہادری کے ساتھ اسلام کا ساتھ دیا۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے 7ھ میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اسی سال بنی فزارہ کی تنبیہ کے لئے بھی بھیجا۔

ہجرت مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کو بطور رفیق منتخب کرنا ہی آپ کی وفاداری و شجاعت کا کافی سرٹیفکیٹ ہے۔

جنگ احد میں جب لڑائی شروع ہونے سے پہلے اکیلے اکیلے آدمی کا مقابلہ ہورہا تھا تو حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن کافروں کی طرف سے سامنے آئے اور مسلمانوں کی طرف سے کسی کو مقابلہ کے لئے آواز دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے بڑی شجاعت کے ساتھ اپنے بیٹے کے خلاف تلوار میان سے نکالی اور خود مقابلہ پر جانے کے لئے حضور سے اجازت مانگی مگر حضورؐ نے اجازت نہ دی۔

صلح حدیبیہ اور آپکی شجاعت

6ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چودہ سو صحابہ کے ساتھ زیارت کعبہ کا قصد کیا اور جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے بڑی دلیری کے ساتھ کہا یا رسول اللہؐ آپ قتل و خونریزی نہیں بلکہ زیارت کعبہ کی مقصد سے روانہ ہوئے ہیں اس لئے تشریف لے چلئے۔ جو کوئی سد راہ ہوگا ہم اس سے لڑیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بسم اللہ چلو۔ غرض آگے بڑھ کر مقام حدیبیہ پر پڑاؤ ڈالا گیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود جنہیں قریش نے سفیر بنا کر بھیجا تھا گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مکہ والے لڑنے کے لئے بالکل تیار ہیں اور مسلمانوں کو کسی حال میں بھی عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ بھی پاس ہی تھے۔ عروہ کی بات سن کر چپ نہ رہ سکے اور کہنے لگے ٹھیک ہے اگر لات اور عزیٰ کو ماننے والے لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم حضور کا ساتھ نہیں دیں گے۔ عروہ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا مجھ پر ابو بکرؓ کے احسان ہیں اگر مجھے ان کا خیال نہ ہوتا تو میں بھی اس بات کا جواب دیتا۔ (سوانح حضرت ابو بکرؓ صفحہ 33 بخاری کتاب الشروط باب

الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب)

حضرت علیؓ کا خراج تحسین

حضرت علیؓ جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر گنے جاتے تھے وہ اپنے سے زیادہ حضرت ابو بکرؓ کی شجاعت کے قائل تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں

"ولکن اخبرونی باشجع الناس قالوا لا نعلم فمن؟ قال ابو بکر انّہ لما کان یوم بدر فجعلنا لرسول اللہ عریشاً فقلنا من تکون مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لئلا یھوی الیہ احد من المشرکین فواللہ ما دنا منّا احد الا ابا بکر شاھرا بالسیف علی راس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یھوی الیہ احد الا ھوی الیہ فھو اشجع النّاس (فصل الخطاب)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص کے متعلق بتاؤ جو لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر اور اشجع الناس ہیں انہوں نے جواب دیا کہ آپ ہیں۔

آپ نے فرمایا "میں تو جس کے مقابلہ میں نکلا ہوں اس سے انتقام لیا ہے لیکن تم مجھے اس شخص کے بارے میں بتاؤ جو سب سے بہادر ہے؟ لوگوں نے کہا ہمیں علم نہیں آپ ہی بتائیں کہ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ابو بکرؓ ہیں۔ جب غزوہ بدر کا دن تھا اس وقت ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک چھپر بنا دیا تھا۔ ہم نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون ہوگا تاکہ آپؐ پر مشرکین میں سے حملہ کوئی نہ کرے۔ خدا کی قسم ہم میں سے کوئی بھی قریب نہ گیا سوائے حضرت ابو بکرؓ کے۔ انہوں نے تلوار نیام سے نکال کر سونت رکھی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پہرہ دے رہے تھے۔ جب بھی کوئی آپؐ پر حملہ کرتا حضرت ابو بکرؓ اس پر حملہ کرنے کے لئے جھپٹ پڑتے اس لئے وہ سب سے زیادہ بہادر ہیں"۔

ایک اور جگہ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کو قریش نے پکڑ رکھا تھا۔ کوئی آپ کو دبوچ رہا تھا اور کوئی پچھاڑ رہا تھا اور وہ کہتے جاتے تھے کہ تو ہی وہ شخص ہے جس نے ہمارے سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہم میں سے کوئی بھی قریب نہ گیا سوائے حضرت ابو بکرؓ کے۔ وہ کسی کو دبوچتے اور کسی کو پچھاڑتے تھے اور کسی کو مارتے تھے اور قریش سے کہتے جاتے تھے تم پر ہلاکت ہو کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔

پھر حضرت علیؓ نے اس چادر کو اٹھایا جو انہوں نے اوڑھ رکھی تھی اور رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر فرمانے لگے کہ میں تمہیں خدا تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا آل فرعون کا مومن بہتر تھا یا حضرت ابو بکرؓ تو لوگ چپ رہے۔ آپ نے فرمایا کہ کہ تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے۔ وہ آدمی اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اور انہوں (حضرت ابو بکرؓ) نے ایمان کا علی الاعلان اظہار کیا ہے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ 25)

شجاعت اور صبر کا حسین امتزاج

خلیفہ وقت کی ایک صفت خدا تعالیٰ نے آیت

استخلاف میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ خوف کے حالات کو امن سے بدل دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم اس نکتہ نگاہ سے جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے وقت کو دیکھتے ہیں تو وہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شجاعت اور نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہوگئے اور حضرت عمرؓ تو ننگی تلوار لے کر باہر آگئے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات یافتہ قرار دیگا میں اس کی گردن اڑادوں گا۔ باقی لوگ بھی اسی طرح پریشان پھر رہے تھے اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔

اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ مقام سنح (جہاں آپ کی زوجہ محترمہ خارجہ بنت زھیر رہتی تھیں) سے واپس تشریف لائے تو مسجد کے دروازہ پر ایک ہنگامہ برپا تھا لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے مکان میں داخل ہوگئے اور اپنے محبوب آقاؐ کے نورانی چہرہ سے کپڑا اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا کہ "آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں - اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ وہ موت جو آپؐ کے لئے مقدر تھی وہ آپؐ نے پالی ہے۔ پھر اس کے بعد آپؐ پر کبھی موت نہیں آئے گی"۔

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ جوش وارفتگی میں تقریر کر رہے تھے اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے انکار کر رہے تھے۔ آپ نے انہیں کہا عمر سنبھلو اور ذرا چپ ہو جاؤ مگر اس وقت حضرت عمرؓ کوئی بھی بات سننے کو تیار نہیں تھے وہ پھر بھی بولتے رہے تو آپ نے الگ کھڑے ہو کر تقریر کرنی شروع کردی اور تمام مجمع آپ کی طرف جھک پڑا۔ آپ نے فرمایا "لوگو سنو جو آدمی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو فوت ہوگئے ہیں۔ ہاں جو اللہ کی عبادت کرتا تھا اس کا خدا زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا"۔ اور آپ نے آیت پڑھی

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل

یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں اور آپ سے پہلے سب رسول فوت ہوچکے ہیں تو کیا اگر آپ فوت ہوجائیں یا قتل ہوجائیں تو تم اسلام چھوڑ دو گے"۔

(بخاری باب مرض النبی ووفاتہ)

حضرت ابو بکرؓ کی تقریر اور یہ آیت سن کر لوگ ہوش میں آگئے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں "مجھے یوں لگا کہ جس طرح یہ آیت ابھی ابھی اتری ہو۔ میں سمجھ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی فوت ہوگئے ہیں اور مجھے یوں لگا جیسے میرے پیر ٹوٹ گئے ہوں۔ مجھ میں کھڑے رہنے کی طاقت بھی نہ رہی اور میں گر گیا۔

خطبہ خلافت شجاعت کی ایک جھلک

آپ کا خطبہ خلافت بھی حقیقی شجاعت کا آئینہ دار ہے۔ آپ نے فرمایا "اے لوگو مجھے تم پر حاکم بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں - پس اگر میں کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں کوئی برا کام کروں تو مجھے سیدھا کردینا۔ سچ ایک امانت ہے اور جھوٹ

خیانت۔ اور تم میں سے کمزور میرے سامنے طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلادوں (انشاءاللہ) اور تم میں سے طاقتور میرے سامنے کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے کمزور کا حق واپس لے لوں (انشاءاللہ)۔ اور جب بھی کوئی قوم اللہ کی راہ میں جہاد ترک کر دیتی ہے خدا تعالیٰ اس کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے اور جب بھی کسی قوم میں برائی پھیل جاتی ہے خدا تعالیٰ اس میں عذاب کو عام کر دیتا ہے۔

اور میری اس وقت تک اطاعت کرنا جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر فرض نہیں"۔ (بخاری)

عظیم فتنوں کا سامنا

خلافت پر متمکن ہوتے ہی آپ کو بڑے بڑے فتنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے۔ طلیحہ بن خویلد، اسود عنسی۔ مسیلمہ بن حبیب اور سجاح بنت حارث جھوٹے مدعیان تھے۔ آپ نے ان کا قلع قمع کردیا۔ مرتدین کی سرکوبی کی۔ منکرین زکوٰۃ کو سیدھا کردیا۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ کی مہم بھی درپیش تھی۔ اس کے متعلق بعض صحابہ نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کردیا جائے کیونکہ حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تو آپ نے بڑے جوش کے ساتھ فرمایا کہ کیا میں رسول اللہؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلا کام یہ کروں کہ اس لشکر کو روک دوں جس کی روانگی کا آپ نے حکم دیا تھا۔

"خدا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہوجائے کہ درندے آکر میری ٹانگیں کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو نہیں روک سکتا"۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ 71)

آپ کی سیرت اور اخلاق کے تذکرے کے لئے تو دفاتر درکار ہیں۔ اس مضمون کا اختتام میں حضرت مسیح موعود.... کی اس نصیحت پر کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اس لئے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم وہ ایمان پیدا کرو جو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کا ایمان تھا۔ رضی اللہ عنہم۔ کیونکہ اس میں حسن ظن اور صبر ہے اور بہت سے برکات اور ثمرات کا منتج ہے"۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 366)

آخر میں یہی دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہم سب کو اس نصیحت پر کماحقہ عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

خاکسار، مکرم ظہیر احمد خان صاحب، مکرم طارق محمود صاحب ناصر، مکرم سید صہیب احمد صاحب، مکرم شبیر احمد صاحب ثاقب، مکرم رفیق احمد صاحب ناصر، اور جملہ مضمون نگار حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ جنھوں نے گاہے گاہے خاکسار کو رسالہ ترتیب دینے میں ہر طرح کے تعاون سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو احسن جزاء سے نوازے اور مقبول خدمت دین کی توفیق بخشے۔ آمین (مدیر خالد)

اک آتش تم بھی پاؤ گے
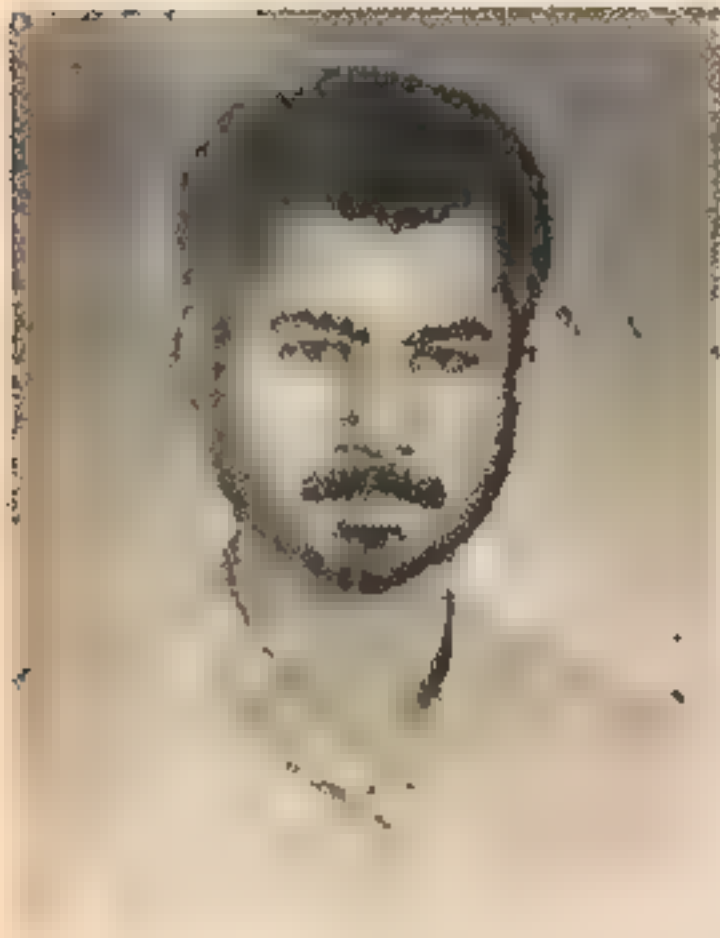
نام: سید حمید اللہ نصرت پاشا
ولدیت: سید حضرت اللہ پاشا
تاریخ پیدائش: 16 ستمبر 1962ء
پیشہ: ڈینٹل سرجن
تعلیم: B. D. S لیاقت میڈیکل کالج۔ حیدر آباد سندھ
واقف زندگی بطور ڈینٹل سرجن فضل عمر ہسپتال۔ ربوہ
خدام الاحمدیہ: معاون صدر (حال) مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان
اس سے قبل: قائد ضلع حیدر آباد

کعبہ سے ہم کو روکو گے ہم اور کہیں گے اللہ ھُو
جتنا سمٹانا چاہو گے پھیلے گی احمد کی خوشبو

چاہو تو اذانیں بند کردو ڈھادو محرابیں منیارے
پہلے سے بڑھ کر گونجیں گے اللہ اکبر کے نعرے

تم جس میدان میں اترو گے ہم اس میدان کے جیتے ہیں
تم سہمے سہمے گیدڑ ہو ہم دل کے شیر ہیں چیتے ہیں

اک آتش ہم نے پائی ہے اک آتش تم بھی پاؤ گے
ہم پر آتش گلزار ہوئی تم آتش میں جل جاؤ گے

جھلسیں گے خود تمہارے دل تمہارے غیظ کی سیخوں پر
تب تم چلانا چاہو گے اور پہرے ہوں گے چیخوں پر

تمہارے دل کے مندر میں ہے دھن دولت کا راج کا بت
اک بت ہر چڑھتے سورج کا، اک تخت کا بت، اک تاج کا بت

تمہاری سجدہ گاہ پہ ہے، اک مولوی باریش کا بت
اک پیر کا بت مفتی کا بت، اک خواہش کا اک خویش کا بت

تم جن اصنام کو پوجتے ہو وہ سب تمہارے قاتل ہیں
سب تاریکی کے پتلے ہیں سب بت تمہارے باطل ہیں

میرا دل بھی ویرانہ تھا اک روز ہوا داخل اللہ
اب ہر مسکان کا چشمہ ہے ہر درد میں ہے شامل اللہ

حسن و احسان سے کرتا ہے ہر روز مجھے گھائل اللہ
جیون اللہ ہے دل اللہ رستہ اللہ منزل اللہ

خلوت اللہ محفل اللہ صحرا اللہ محمل اللہ
جو اس کے سوا ہے باطل ہے حق لا الہ الا اللہ

سید نصرت پاشا

ایک مذہبی سکالر

جناب شیخ عبدالقادر صاحب سے انٹرویو

(انٹرویور:۔ مکرم عبدالسمیع خان صاحب، مکرم فضیل عیاض احمد صاحب (مدیر تشحیذ) اور خاکسار مبشر احمد ایاز۔ مدیر خالد)

ایک عرصے سے ہم خواہش مند تھے کہ انٹر نیشنل مذہبی ریسرچ سکالر جناب شیخ عبدالقادر صاحب سے ملاقات کریں اور اس درویش منش اور سادہ مزاج عظیم محقق کے قابل قدر کارناموں کو قارئین کے سامنے پیش کریں۔ الحمد للہ کہ جولائی 91ء کے آخر میں شیخ صاحب ربوہ تشریف لائے تو ہم نے ان سے وقت لے کر کچھ باتیں کیں جو قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

سب سے پہلے ہم نے ان سے سوال کیا کہ اپنے خاندانی پس منظر سے ہمیں آگاہ کریں۔؟

محترم شیخ صاحب نے فرمایا کہ ہم ہندوؤں کی ذات کھتری بجل سے تعلق رکھتے تھے۔ میرے دادا کا نام "لالہ چانن داس" تھا۔ وہ حویلی بہادر شاہ کے رہنے والے تھے اور جھنگ مگھیانہ میں پولیس افسر تھے۔ ان کے اکلوتے بیٹے "شیورام داس" میرے والد صاحب تھے۔ میرے دادا لالہ چانن داس کے ایک احمدی دوست تھے ان کا نام شیخ محمد حسین تھا جو لائل پور میں آڑھت کا کام کرتے تھے۔ میرے دادا ان کے تقویٰ و دیانت سے بہت متاثر تھے لہٰذا انہوں نے 1908ء میں اپنے بیٹے (میرے والد صاحب) کو ان کے پاس بھجوا دیا تاکہ وہ ان کی نیک صحبت میں رہیں اور ساتھ ہی آڑھت کا کام بھی سیکھ لیں۔

قبول احمدیت

میرے والد صاحب (لالہ شیورام داس) محترم شیخ محمد حسین کے پاس آ گئے۔ یہاں آ کر انہوں نے شیخ صاحب کے پاس آنے والے "البدر" اخبار کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور گاہے گاہے حضرت مسیح موعود.... کی کتب کو پڑھنا شروع کر دیا۔

میرے والد صاحب بتایا کرتے تھے کہ شیخ صاحب کا تقویٰ و دیانت اور عبادت میں انہماک نے مجھے بہت

متاثر کیا اور دوسری طرف قادیان سے نکلنے والے اخبار "البدر" اور حضرت مسیح موعود... کی کتب کے مطالعہ سے میرے دل میں موجود ہندو عمارت لرزنے لگی۔ اسی اثناء میں حضرت مسیح موعود..... کی کتاب "ست بچن" اور چولہ بابا نانک کے اوپر تحقیق کا مطالعہ کیا تو میں نے خدا کے حضور دعا کرنی شروع کی کہ اے خدا اگر ہندو مت جھوٹا ہے اور..... (دین حق) ہی سچا مذہب ہے تو تو میری راہنمائی فرمادے۔ اتنے سوز اور جوش سے دعائیں کرتے تھے کہ ماہی بے آب کی طرح چارپائی پر اچھل پڑتے تھے۔ جنگل میں نکل جاتے وہاں پراتھنا (دعا) کرتے۔

اور آخر کار 1909ء میں میرے والد صاحب نے قادیان جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے ہاتھ پر کلمہ طیبہ پڑھ کر (دین حق) قبول کرنے کی سعادت پائی۔ حضور نے ان کا نام "عبدالرب" تجویز فرمایا۔ میرے والد صاحب کی اس وقت عمر 19 سال کے لگ بھگ تھی اور ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ایک ہندو گھرانے میں منگنی ہو چکی تھی وہ تو ٹوٹ گئی۔

محترم شیخ صاحب نے اپنے والد کی قبول احمدیت کی ایمان داستان سناتے ہوئے فرمایا کہ جب گھر والوں کو اور برادری والوں کو ہندو مذہب چھوڑنے اور احمدیت قبول کرنے کا علم ہوا تو انہوں نے بائیکاٹ کر دیا اور ہندوؤں نے لائل پور میں سب مسلمانوں کا بائیکاٹ کر دیا اور میرے والد صاحب اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے وطن اور خاندان کو خیر آباد کہہ کر قادیان آگئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ آپ نے یہاں قرآن کریم پڑھنے کی غرض سے "قاعدہ یسرنا القرآن" پڑھنا شروع کر دیا۔

اس دوران میرے والد صاحب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے کئی مبارک رؤیا و کشوف بھی ہوئے جو ان کے ایمان کو مضبوط بنانے کا باعث ہوئے۔ ایک دفعہ مستقبل کی تشویش پر ان کو الہام ہوا الیس اللہ بکاف عبدہ۔ کیا خدا اپنے بندے کے لئے کافی نہیں۔

سوال:- محترم شیخ صاحب! اب اپنے متعلق کچھ بیان فرمائیں؟

محترم شیخ صاحب! میں 1919ء کے اواخر میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں پیدا ہوا۔ جس روز میں پیدا ہوا اس دن گیارھویں تھی جس کی وجہ سے میرا نام عبدالقادر رکھا گیا حضرت عبدالقادر جیلانی کے نام کی مناسبت سے۔

بچپن میں صحت بہت خراب رہتی تھی۔ ٹائیفائیڈ کے متعدد حملے ہوئے اور اسی بیماری میں لائل پور میں تدریس شروع کی اور آخر کار مڈل کا امتحان پاس کر لیا۔ میری بیماری اور خرابی صحت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے کہا کہ اسے مزید نہیں پڑھنا چاہیئے۔ سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا لہٰذا بادل نخواستہ باقاعدہ پڑھائی کا سلسلہ آٹھویں کلاس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

محترم شیخ صاحب سے یہ سن کر ہمیں تعجب ہوا کہ وہ شخص جو جماعت احمدیہ کے ممتاز ترین محقق ہیں اور بین الاقوامی سطح پر ایک سکالر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں انہوں نے سکول میں صرف آٹھویں کلاس تک پڑھا ہے۔ ہم نے پوچھا کہ شیخ صاحب! آپ کو عیسائیت کے بارے میں پھر اتنی تحقیق کا شوق کیسے ہوا؟

شیخ صاحب! شیخ صاحب جو کہ خاص طور پر عیسائیت کے حوالے سے ایک مستند سکالر ہیں انہوں نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک وجہ تو یہ تھی کہ سکول میں کئی عیسائی دوست ہم مکتب تھے ان سے گفتگو رہتی۔

اصل وجہ ایک واقعہ ہے۔ اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک عیسائی لڑکا میرا ہم مکتب اور دوست تھا جس کا نام سموئیل تھا۔ اس کا باپ ایک پادری تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کے ذریعہ مجھ سے ایک کتاب منگوائی جو حضرت مسیح موعود...... نے تحریر فرمائی تھی اور اس کتاب کا نام "مسیح ہندوستان میں" ہے۔

میں نے والد صاحب سے وہ کتاب لے کر اسے دے دی۔ جب کافی دن گزر گئے تو میرے والد صاحب نے کتاب واپس لانے کو کہا۔ میں اپنے دوست کو کہوں مگر کتاب واپس نہ ملی۔ جب میرے والد صاحب نے زیادہ زور دیا تو میں نے اپنے دوست سے بہر صورت کتاب واپس لانے کو کہا۔ میرا دوست بہت شرمندہ تھا کیونکہ اس کے والد صاحب نے جو کہ ایک پادری تھے اس کتاب کا حلیہ ہی بگاڑا ہوا تھا۔ کتاب کے صفحہ صفحہ پر حضرت مسیح موعود.... کو گالیاں لکھی ہوئی تھیں اور جابجا اعتراضات لکھے ہوئے تھے۔ میرے والد صاحب بہت جلالی طبیعت کے اور باغیرت تھے۔ ایک تو کتاب کی بری حالت دیکھ کر اور دوسرا حضرت مسیح موعود..... کے خلاف نازیبا کلمات پڑھ کر بہت ناراض ہوئے اور غصہ سے وہ کتاب مجھے واپس پلٹادی کہ اب تمہیں رکھو۔ میرے سکول جانے کا وقت ہو رہا تھا (میں اس وقت ساتویں کلاس میں پڑھتا تھا) میں نے کتاب بستے میں ڈال لی اور سکول کی طرف آ گیا۔ راستے میں ایک جگہ تنہائی میں بیٹھ گیا۔ میں نے کتاب "مسیح ہندوستان میں" بستے سے نکالی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور خدا سے دعا کی کہ اے خدا اس پادری نے تیرے بھیجے ہوئے مامور کو گالیاں دی ہیں اور اس کتاب کے متعلق اعتراض کئے ہیں۔ تو مجھے توفیق دے کہ میں ان اعتراضات کا جواب دے سکوں۔
شیخ صاحب فرمانے لگے کہ وہ گھڑی شاید قبولیت دعا کی گھڑی تھی کہ خدا کے فضل سے میں نے وہ تمام علوم حاصل کئے جن کا ذکر اس کتاب میں تھا۔ اور یہی کتاب میری تحقیق اور اتنے علوم کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنی۔
مختلف علوم کی تفصیل بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں نے بغیر کسی سکول یا کالج کے انگریزی پڑھی۔ عربی سیکھی۔ قرآن مجید کا ترجمہ یاد کیا۔ خوبصورت لکھنے کا شوق تھا۔ قرآنی کتابت کے قطعات تیار کئے۔ تاریخ قدیم میں دسترس حاصل کی۔ پرانے سکوں کا علم بھی حاصل کیا۔ لاہور میوزیم مجھے پرانے سکے بھجوایا کرتا تھا پڑھنے کے لئے اور میں انہیں بتایا کرتا تھا۔ حضرت قاضی محمد نذیر صاحب فاضل اس عاجز کے مربی، اتالیق تعلیم دین کے زیور سے آراستہ کرنے والے بلکہ سب کچھ تھے۔ اسی طرح والد صاحب کی دعائیں اس کے علاوہ تھیں۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ یہ عاجز ایک شاندار بلند سٹیج سے تقریر کر رہا ہے۔

سائنس بھی پڑھی۔ اس کے ضمن میں آپ نے بتایا کہ میں نے جب ایک کتاب "اسلام اور سائنس" کے موضوع پر لکھی تو وہ ریویو آف ریلیجنز میں چھپنا شروع ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جب پڑھا تو خوش ہوئے اور میری ہمشیرہ کو فرمایا اس نے سائنس کہاں سے پڑھی۔

اسی طرح آپ نے مختلف علوم جو سیکھے ان کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اپنی تحقیق کی غرض سے جس بات یا علم کی ضرورت ہوئی اسے پڑھنا شروع کر دیتا۔ اس طرح آثار قدیمہ اور خصوصاً مصریات کا شوق ہوا تو اس میں دسترس حاصل کی۔ پھر عبرانی کا شوق ہوا تو اتنی واقفیت کرلی کہ بائبل عبرانی زبان میں پڑھ لیتا ہوں۔
(حروف شناسی کی حد تک)

سوال۔ چونکہ اب ہم محترم شیخ صاحب کی اصل فیلڈ ان کی "علمی تحقیق" کی طرف آچکے تھے لہٰذا ہم نے سوال کیا کہ اب آپ ہمیں یہ بتائیں کہ آپ جو تحقیق کرتے ہیں یہ کس طرح کرتے ہیں اور کونسی بات ہوتی ہے جس کی وجہ سے آپ اس پر قلم اٹھاتے ہیں۔

آپ نے اس سوال کے جواب میں ہمیں بتایا کہ میں نئی نئی کتابیں پڑھتا رہتا ہوں اور پھر سوچتا رہتا ہوں اور پھر کسی موضوع نے INSPIRE ہو کر میں اس موضوع پر قلم اٹھاتا ہوں۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود...... کے نظریات اور مستشرقین کے قرآن اور اسلام پر کئے گئے اعتراضات کے جواب دینا اور قرآنی علوم و معارف پر تحقیق میرا FIELD ہے۔ محترم شیخ صاحب کے نزدیک قرآن کریم تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب تو نہیں ہے کلام خدا ہے لہٰذا بائبل یا مستشرقین جو بھی بیان کریں بالآخر فتح قرآنی بیان کی ہوتی ہے اور قرآن حرف بہ حرف درست ثابت ہوتا ہے۔

سوال۔ سوال کیا کہ ابھی تک جو آپ نے تحقیقی مقالے لکھے ہیں ان کا تعارف کروانا پسند کریں گے۔

اس کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ کوئی پانچ چھ صد مقالہ جات انہوں نے لکھے اور پڑھے ہیں۔ ان میں سے بعض کتابی صورت میں چھپ چکے ہیں اور بعض فضل عمر فاؤنڈیشن سے انعام یافتہ بھی قرار پا چکے ہیں۔

آپ کے مضامین جو کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں ان میں فردوس گم گشتہ، انجیل مرقس کا آخری ورق، قبطی انجیل کا انکشاف، اصحاب کہف کے صحیفے، وادی قمران شامل ہیں۔

اور مندرجہ ذیل مقالے وہ ہیں جو فضل عمر فاؤنڈیشن سے اول انعام حاصل کر چکے ہیں

(1) اسماء الانبیاء فی القرآن

(2) قرآن اور مستشرقین

(3) حضرت مریم صدیقہؑ

(4) قرآن، بائبل اور تاریخ

حضرت مریم صدیقہؑ کے انجام کے بارہ میں میری ریسرچ کو حال ہی میں جنوبی افریقہ میں ایک انجمن نے انگریزی میں شائع کیا ہے۔

سوال۔ اس سے اگلا سوال ہمارا یہ تھا کہ آپ کسی تحقیق کا بطور خاص ذکر کرنا پسند فرمائیں جو آپ کے نزدیک بہت اہم ہو۔

آپ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ہر تحقیق میں ایک نئی بات پیش کی ہے البتہ خاص طور پر شام میں دمشق کے شمال میں 2500 تا 3500 ق م کے آثار قدیمہ "ایبلاء" سے نکلے ہیں اس پر میری تحقیق ایسی ہے جس پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا اور اس تحقیق سے مستشرقین کے بعض اعتراضات کا بڑا شافی و کافی جواب دیا گیا ہے اور قرآن کے بیان و واقعات کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔

محترم شیخ صاحب نے اپنی سب سے بڑی اور نمایاں ریسرچ "DEAD SEA SCROLE" پر کی گئی تحقیق کو قرار دیا سب سے پہلے "اصحاب کہف کے صحیفے" اور

ماہنامہ "خالد" کی اشاعت بڑھانا ہر خادم کی اولین ذمہ داری ہے۔ (مینیجر ماہنامہ خالد۔ ربوہ)

"صحائف قمران" رسالوں میں ذکر کیا کہ ان میں جس شخص کو "فرستادہ حق" کہا گیا ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔

اب حال ہی میں یروشلم یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے عبرانی میں مقالہ لکھا ہے اور فرستادہ حق سے مراد حضرت عیسیٰ کو ثابت کیا ہے۔

سوال۔ اس تحقیق میں آپ کو کس کس کا تعاون یا مالی امداد ملتی ہے۔

اس کے جواب میں محترم شیخ صاحب نے فرمایا کہ میں کوئی گرانٹ یا مالی معاونت کا طالب نہ تھا نہ اس کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ہمیشہ اونچے منصبوں پر رہا ہوں۔ رزق کی پریشانی سے آزاد۔ یہ سارا کام میں خود اپنے شوق سے کر رہا ہوں۔ البتہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب مرحوم و مغفور کا مجھے مختلف پہلوؤں سے تعاون رہتا تھا۔ مجھے جو کتاب یورپ سے منگوانی ہوتی تھی موصوف کی وساطت سے مجھے میسر ہو جاتی تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کسی مستشرق یا پروفیسر کے بارے میں میں نے سر ظفر اللہ خان صاحب سے درخواست کی کہ فلاں فلاں مسئلہ پر ان کے خیالات درکار ہیں تو سر ظفر اللہ خان صاحب اپنی مصروفیت کے باوجود اس کے پاس گئے اور گھنٹہ بھر اس کا لیکچر سنا اور پھر مجھے لکھا۔ فجزاھم اللہ خیراً۔

اس کے علاوہ جو کوئی نئی تحقیق یا نئی کتاب بیرون ملک ان کے علم میں آتی اس کے متعلق معلومات مجھے بہم پہنچاتے اور علاوہ ازیں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ آپ ہفتے میں ایک دن بلا ناغہ جامعہ احمدیہ جا کر طلباء کو لیکچر دیا کریں اور اس کے لئے سفر خرچ بہ اصرار محترم چوہدری صاحب ایک عرصہ تک دیتے ہے۔ گذشتہ نو سال سے میں شاہنواز گروپ میں ٹیکس ایڈوائزر ہوں۔ اس ضمن میں مکرم چوہدری منیر نواز صاحب ایگزیکٹو ڈائریکٹر کی طرف سے بھی ایک سہولت ہے کہ وہ آٹھ گھنٹے کی بجائے صرف 4 گھنٹے کام لیتے ہیں اور گھر چھوڑنے اور گھر سے لینے کا انتظام ہے۔ فجزاھم اللہ خیراً

سوال۔ ہمارا ایک سوال یہ تھا کہ آپ کو تحقیق میں کسی رؤیا یا کشف کے ذریعہ کوئی مدد ملی ہو تو اس کے جواب میں فرمایا کہ

حضرت محی الدین ابن عربی کا کشف ہے مہدی "خ ف ج" پر آئیگا۔ خواب میں دیکھا کہ قرآن کریم کی آیت خسف القمر و جمع الشمس والقمر کا یہ مخفف ہے۔ تفصیل "انصار اللہ" کسوف و خسوف نمبر میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح ایک رؤیا میں دیکھا کہ حروف ابجد کا کعبہ اللہ سے گہرا تعلق ہے۔ یہ تحقیق بھی الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔

اپنی تحقیق کے ضمن میں مزید بتایا کہ طوفان نوح اور کشتی نوح پر میری تحقیق قابل ذکر ہے۔ پس منظر اس کا یہ ہے کہ ایک امریکی ٹیم کشتی نوح کی تلاش میں عراق کی طرف جا رہی تھی۔ کوہ ارارات کی چوٹیوں پر اس ٹیم کی خاتون سیکرٹری نے سر ظفر اللہ خان صاحب سے رابطہ کیا اور کہا آپ اگر ہماری کچھ رہنمائی (قرآن کی رو سے) کر سکتے ہیں تو ہم مشکور ہوں گے۔ سر ظفر اللہ خان صاحب نے مجھے ارشاد فرمایا تو میں نے اس پر تحقیق کر کے انہیں کو بھجوایا اور نشاندہی کی کہ جس روٹ پر ٹیم والے ہیں ادھر ان کو ناکامی ہوگی کیونکہ قرآن نے جو اشارات دیئے ہیں آپ کا سفر ان اشاروں پر نہیں ہے اور ایسا ہی ہوا وہ ٹیم ناکام واپس لوٹی۔ البتہ انہوں نے بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ آپ نے ہمیں معلومات فراہم کیں تھیں۔ (یہ مقالہ بعد

میں جلسہ سالانہ کے شبینہ اجلاس میں پڑھا گیا اور الفضل میں چھپ چکا ہے)

اپنی تحقیق کے ضمن میں انہوں نے دو بہت دلچسپ واقعات سنائے جو قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ اس سے ان کی علمی کاوش اور تحقیق کے ساتھ ساتھ خلفاء سلسلہ کی ذرہ نوازی کی جھلک بھی نمایاں ہوتی ہے۔

جن دنوں جناب جسٹس منیر کی سربراہی میں 1953ء کے فسادات پر عدالتی تحقیق ہو رہی تھی میں نے انہی دنوں الفضل میں ایک مضمون بھیجا جس میں ثابت کیا کہ امت محمدیہ میں مثیل مسیح کے آنے کا عقیدہ شروع سے چلا آتا ہے اس سلسلہ میں علامہ ابن الوردی کی کتاب "خریدة العجائب" میں سے حوالہ پیش کیا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یہ مضمون پڑھا بہت خوش ہوئے اور اس کتاب کو منگوا کر خود اسے عدالت میں لے کر گئے۔ بعد میں ملک عبدالرحمن صاحب خادم نے اس مسئلہ پر ساری کی ساری بحث کی جو مخالف فریق کی نظر میں لاجواب تھی۔ اس حوالے سے اس کے سارے کئے پر پانی پھر گیا بلکہ جسٹس منیر نے یہ حوالہ سن کر کہا کہ "مولانا اب لگائیں علامہ ابن الوردی پر کفر کا فتویٰ"۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جلسہ سالانہ کی تقریر میں خاکسار کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ شیخ عبدالقادر کا یہ مضمون (جس میں حوالہ تھا) سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح کسر صلیب کانفرنس لندن (منعقدہ 1978ء) کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے فرمایا کہ اس کانفرنس میں شیخ عبدالقادر صاحب بھی ایک مقالہ پڑھیں گے۔ بہت پریشانی ہوئی۔ لندن مجلس عاملہ کو لکھا کہ میں اتنے بڑے مجمع میں جہاں بعض مستشرقین ہوں گے انگریزی میں پڑھ نہیں سکوں گا۔ البتہ مقالہ لکھا اور محترم قاضی محمد اسلم صاحب نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ لندن کی مجلس عاملہ نے اس کو پڑھنے کے لئے ایک انگریز کو تیار کیا۔

یہ ساری تیاری مکمل ہو گئی تو حضرت خلیفۃ المسیح جو ان دنوں مغربی جرمنی کے دورے پر تھے، حضور کی خدمت میں اطلاع کر دی گئی تو حضور نے فرمایا کہ شیخ صاحب مقالہ خود پڑھیں گے۔ بہت سخت گھبراہٹ ہوئی اور مرتا کیا نہ کرتا انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں وقت مقررہ پر سٹیج پر آیا۔ یقین نہیں تھا کہ ایک منٹ بھی پڑھ سکوں گا۔ جونہی سٹیج پر آیا تو ایسے ہوا جیسے خنکی اور اعتماد کی ایک لہر سی دوڑ گئی ہو اور انتہائی اعتماد اور وقار سے مقالہ پڑھا۔ مقالہ ختم ہوا تو سر ظفر اللہ خان صاحب خود اٹھ کر تشریف لائے اور مجھے مبارکباد دی۔ دوسرے دن ہاؤس آف کامنز کے ایک ہال میں ایک دعوت پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث تشریف لائے تو مجھے معانقہ کا شرف بخشا اور خلاف معمول دیر تک میرا ہاتھ تھامے رکھا اور مبارکباد دی اور فرمایا کہ میں سارا وقت آپ کے لئے دعا کرتا رہا تھا۔

دنیا کے ایک جید سکالر ڈاکٹر شیون فیلڈ نے اپنی کتاب میں میرے اس مقالے کے حوالے دیئے ہیں۔ لندن میں اس کا کیسٹ دستیاب ہے۔

سوال۔ سوال کیا کہ کیا آپ بتائیں گے کہ آپ نے تحقیق میں کسی کو آئیڈیل بنایا تھا اور کس کو؟

آپ نے فرمایا اصل بات تو یہ ہے کہ ریسرچ کے لئے ایک چیز ضروری ہے اور وہ ہے جنون (بے انتہاء شوق)۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا کہ

اے جنوں کچھ کام کر بے کار ہیں عقلوں کے وار

اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ہی کو میں نے اپنا آئیڈیل بنایا

تھا۔

شیخ صاحب کے تحقیقی کام اور مقالہ جات اور طریق کار کا تو ذکر ہو گیا اس کے بعد ہم نے پوچھا کہ آپ جو تحقیق کر رہے ہیں یا زیر غور مضامین ہیں ان کے بارہ میں بتانا پسند کریں گے؟

فرمایا کہ حدیث کے اوپر بھی کچھ کام کیا ہے جن میں حضرت ابن عباسؓ پر ایک مقالہ جامعہ میں سنا چکا ہوں۔ اسالیب بخاری پر ایک نئی تحقیق شائع ہو چکی ہے اور اب میں یہ کام کر رہا ہوں کہ بخاری کی کوئی ایک حدیث بھی وضعی نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سارے علوم ایک لطیف ارتقاء کی کڑی ہیں۔ (رب زدنی علما) کے تحت اور بنی اسرائیل کا "اسباط عشرہ" اس کے علاوہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم اور آثار قدیمہ" پر تحقیق جاری ہے اور آج "کل بدھ ازم" پر تحقیق کر رہا ہوں جن میں سے دو مقالے جامعہ احمدیہ میں پڑھ کر سنائے گئے ہیں۔ جو کہ انصار اللہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ "مسیح نے بچپن کہاں گزارا" پر تحقیق ایک حد تک مکمل ہو چکی ہے۔

اب تو بادنی تغیر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں۔

گو ہاتھ میں جنبش ہے مگر شعروں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

سوال:- الفضل کے پرانے فائل پڑھنے سے اور الفرقان میں آپ کی نظمیں بھی شائع شدہ ہیں تو کیا آپ شاعر بھی ہیں۔

میں کوئی باقاعدہ شاعر تو نہیں ہوں لیکن بعض واقعات سے انسپائر ہو کر میں نظم کہہ لیتا ہوں اور میری نظمیں اخبار سلسلہ و جرائد میں شائع شدہ موجود ہیں۔

سب سے پہلے کب شاعری کی۔

ہم بچے تھے۔ نہر پر نہانے کے لئے گئے تھے اور وہاں بیت بازی شروع ہو گئی۔ میرا سرمایہ جب ختم ہو گیا تو میں نے شعر بنا کر پڑھنے شروع کر دیئے۔ مثلاً

یاد خدا سے غافل نہ ہونا
کہ مٹی سے تم کو بنا دے گی سونا

اس طرح میں نے بیت بازی جیت لی لیکن دوستوں نے شور مچا دیا کہ یہ فاؤل ہے۔ کبھی اصلاح نہیں لی کیونکہ باقاعدہ شاعری نہیں کرتا۔ لائل پور میں ایک مشاعرہ ہوا تھا میں نے اس میں نظم پڑھی تھی اس پر بہت داد ملی۔ الگ مجموعہ تو نہیں شائع ہوا البتہ شعرائے احمدیت احمدی شاعروں کا تذکرہ ہے اس میں میرا نام بھی ہے اور بعض نظمیں بھی ہیں۔ مجموعہ شائع کرنے کا کوئی پروگرام نہیں۔ 1974ء کے حالات سے متاثر ہو کر کئی نظمیں لکھی ہیں جو کہ شائع ہو چکی ہیں۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی وفات پر بھی نظم لکھی جو الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔

ایک متوفی کا اپنا لکھا ہوا وفات نامہ

یہ امر بہت افسوس ناک ہے کہ پاکستانی طالب علموں میں سگریٹ نوشی کا رجحان تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں بہت سی معاشرتی برائیاں جنم لے رہی ہیں۔ اور اس سے نئی نسل کی صحت اور اخلاق پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔

سگریٹ نوشی کے ہلاکت آفریں اثرات اور سگریٹ نوش افراد کے عبرتناک انجام سے طلباء کو آگاہ کرنے کے سلسلہ میں ایک متوفی کا لکھا ہوا اپنا "وفات نامہ" شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ دراصل مارک واٹرز کی وہ آخری تحریر تھی جو اس نے اپنی وفات سے چند روز بیشتر لکھی تھی۔ یہ شخص سگریٹ نوشی کی وجہ سے پھیپھڑے کے سرطان میں مبتلا ہو کر بہت اذیت ناک زندگی گزار رہا تھا۔ اپنی تکلیف کا احساس کر کے وہ اپنے آپ کو زندہ درگور خیال کیا کرتا تھا۔ جب اسے یہ احساس ہو گیا کہ وہ اس دنیا میں چند دن کا مہمان ہے تو اس نے دوسروں کو سگریٹ نوشی کی ہلاکت آفرینیوں سے خبردار کرنے کے لئے "ایک متوفی کا لکھا ہوا اپنا وفات نامہ"
کے زیر عنوان ایک طویل مضمون لکھا جس میں اس نے اپنی کیفیت کا دردانگیز نقشہ کھینچنے کے بعد نوجوانوں کو ان الفاظ میں مخاطب کیا:

"میں نہیں کہہ سکتا کہ میری اس تحریر کو پڑھ کر کوئی شخص سگریٹ نوشی ترک کر دے گا۔ کوئی ایک فرد بھی تو ایسا نہیں جس نے قبل ازیں میری نصیحت سے متاثر ہو کر سگریٹ نوشی ترک کی ہو۔ تم میں سے ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ ایسا جان لیوا مرض کسی دوسرے ہی کو لاحق ہو گا اور میں خود اس سے محفوظ رہوں گا۔ لیکن جب تمہیں پھیپھڑے کا سرطان ہو گا تو تمہیں میری نصیحت کی قدر ہو گی۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ خدا تمہارے حال پر رحم کرے۔ تم اپنے سینے کے ایکسرے پر ایک سایہ دیکھو گے۔ یہ سایہ فی الحقیقت ایک دل دہلا دینے والی چیز ہے۔ اس کے بعد تم کچھ نہیں کر سکو گے۔ اس وقت بظاہر میری طبیعت نسبتاً ٹھیک ہے۔ جب درد اٹھتا ہے تو نرسیں مجھے کوئی چیز کھلا دیتی ہیں۔ میرا سانس بہت چھوٹا ہے۔ میں درمیان میں بیٹھے بغیر پانچ قدم بھی نہیں چل سکتا۔ سرطان بڑھتے بڑھتے میرے جگر تک پہنچ گیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ اور کہاں کہاں اس کے پاؤں جم چکے ہیں۔ میرے بچنے کی اب کوئی امید نہیں۔ اب وقت اور موقع ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ مگر خدا کرے یہ وقت اور موقع تمہارے ہاتھ سے نہ نکلے اور تم اس عبرتناک انجام سے محفوظ رہو"۔ (ریڈرز ڈائجسٹ اگست 1966ء)

اس زمانہ میں اگر چین کے ستر کروڑ عوام افیم کھانے کی صدیوں پرانی عادت کو ترک کر سکتے ہیں تو سگریٹ نوشی

ترک کرنا یا اس سے باز رہنا کونسا مشکل کام ہے۔ ضرورت ہے عزم اور تعہد کی۔ اور سب سے بڑھ کر چھوٹوں کے سامنے اپنا عملی نمونہ پیش کرنے کی۔

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:

"دجّال کی ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اس کے آگے بھی دھواں ہوگا اور پیچھے بھی۔ سگرٹ پینے والا منہ سے دھواں نکالتا ہے اور پھر دھواں پیچھے کو چلا جاتا ہے۔ یورپین لوگ جدھر جائیں گے سگرٹ پیتے جائیں گے یہ بھی دجالی علامت ہے اور (مسیح موعود...) بانی سلسلہ احمدیہ دجالی عادتوں کو مٹانے آئے تھے۔ پس تم بھی دجالی عادت چھوڑ دو"۔ (الازہار لذوات الخمار صفحہ 224)

(انوار تمہ انور)

جیت لیں گے ہم محبت سے دلوں کو ایک دن

زندگی کرتی رہے گی رقص ہی کے غم کے جام
صبح جا کر میکدے میں کر کے شام آیا تو کیا

سنگدل دیکھو تو کیسے کہہ گیا آرام سے
تیری بربادی میں گر میرا بھی نام آیا تو کیا

مر گیا حسرت سے کرتے کرتے تیرا انتظار
"ملے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا"

دعویٰ داران محبت چھوڑ کر سب چل دیئے
دل بیچارہ رہ گیا تھا وہ بھی کام آیا تو کیا

جیت لیں گے ہم محبت سے دلوں کو ایک دن
تو اگر نفرت دلوں میں کر کے عام آیا تو کیا

نام: سید صہیب احمد
ولدیت: سید داؤد مظفر شاہ صاحب
تاریخ پیدائش: 10/اگست 1959ء

سید صہیب احمد

اسی زبان سے

(مکرم ڈاکٹر سید نصرت پاشا صاحب)

زبان جو کہ انسان کے خاکی جسم کا ایک عضو ہے، انسان کے معاشرتی تعلقات کے قیام کا پہلا ذریعہ بھی ہے۔ یہ زبان انسان کے رازوں کی پہریدار اور خیالات کی دربان بھی ہے اور اس کے قلبی جذبات اور عقل و خرد کی آئینہ دار اور عکاس بھی ہے۔ اسی زبان سے ہم خوشی اور غم کا اظہار کرتے ہیں اور اسی زبان سے اپنے ماحول میں خوشی اور غم کے دونوں کے بیج بھی بوتے ہیں۔ اسی زبان سے دل جیتے جاتے ہیں اور اسی زبان سے نفرتوں کے انگارے سلگھائے جاتے ہیں۔ یہی زبان ہے کہ جب لگامیں دے دیں تو قول معروف جنم لیتا ہے، اور جب بے مہار چھوڑ دیں تو جھوٹ، غیبت، تہمت، اور گالی کے مکروہ چشمے پھوٹتے ہیں۔

انسان کی طبعی صلاحیتوں کو لگام دینا ہی دین کا منشاء ہے۔ یہ وہ دروازہ ہے جس سے انسان کی ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔ انسان کو یہی سکھلانا مقصود ہے کہ کس صلاحیت کو کیوں، کہاں، کب اور کیسے استعمال کرنا ہے۔ خیالات کی آمد پر تو ہمیں قابو اور تصرف نہیں ہے۔ البتہ ان کے اظہار میں احتیاط ہماری ذمہ داری ہے۔ بیسیوں الفاظ اور فقرے روزانہ ذہن میں تشکیل پاتے ہیں۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ یہ الفاظ اور فقرے زبان سے جاری ہوں، ہم یہ دیکھ لیں کہ اس بات کا مول خدا کی خوشنودی ہوگی یا اس کی ناراضگی۔

حضرت امام جماعت احمدیہ نے احمدیت کی دوسری صدی کے سر پر جماعت کو جن پانچ بنیادی اخلاق کی طرف متوجہ کیا ہے ان میں سے ایک "نرم اور پاک زبان زبان کا استعمال" بھی ہے۔ گویا تحریک یہ کی گئی ہے کہ زبان میں "نرمی" اور "پاکیزگی" دونوں اوصاف پیدا کئے جائیں۔ بلاشبہ یہ ایک عام فہم سی بات ہے کہ جب تک یہ دونوں اوصاف بیک وقت زبان میں موجود نہ ہوں، حسن مقال کی کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ بعض لوگ اپنے اندر یہ وصف رکھتے ہیں کہ نیک بات کرتے ہوئے بھی ایسا ترش اور کرخت لہجہ اختیار کرتے ہیں کہ گویا گالی معلوم ہو۔ دوسری جانب بعض لوگ زبان کی مغلظات اور فحش ترین کلمات بھی اس قدر نرمی سے ادا کرتے ہیں کہ گویا غزل سرا

ہوں۔ یہی وجہ ہے جب جماعت کو حسن مقال کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوا تو ہمارے امام نے ان دونوں پہلوؤں کا وضاحت سے ذکر فرمایا۔

قرآن مجید میں درج احکام اور اوامر میں سے ایک حکم جو خالق حقیقی کی طرف سے انسان کے لئے صادر ہوا وہ یہ ہے:

"قُولُوا لِلنَّاسِ حُسنًا"

یعنی لوگوں سے ایسی بات کرو جو اپنے اندر حسن کا پہلو رکھتی ہو۔ چونکہ انسانی معاشرہ میں رابطہ اور تعلقات کے قیام کے کا آغاز عام طور پر بات چیت اور گفتگو ہی سے ہوتا ہے لہٰذا اس حکم کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے یہ منشاء ظاہر فرمائی ہے کہ انسانی تعلقات اور روابط کا پہلا قدم ہی حسن کا حامل ہو۔ پھر اس دولت کی تقسیم کو مذہب اور قوم کے دائروں سے بالا رکھا اور "قولوا للناس حسنا" فرما کر "الناس" یعنی سب لوگوں کو اس بات کا حقدار ٹھہرا دیا کہ وہ ہمیشہ مومن کی زبان سے ایسی باتیں سنیں جو حسن سے معمور ہوں۔

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ آواز کو بلند کرنے سے شاید بات میں وزن بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس نادانی کے سبب ان کی آواز گھر کی چار دیواری کو پھلانگ کر اہل محلہ کے لئے اکثر زحمت کا سبب بنتی ہے۔ ان کی باتیں اکثر ایسے کانوں تک پہنچ جاتی ہیں جن کو سنانا مقصود ہی نہیں ہوتا۔ شاید انہیں لوگوں کے لئے "حلق پھاڑ کر بولنا" صادق آتا ہے۔ قرآن مجید کے بیان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح بات کرنا تکبر اور غرور کے مرض میں مبتلا لوگوں کی علامت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہ لا یُحِبّ کل مُختالٍ فُخور. وَاقصِدْ فِی مشیِکَ وَاغضُض مِن صَوتِکَ . ان اَنکَرَالاصوَاتِ لَصَوتُ الحمیر (لقمان: ۱۹.۲۰)

ترجمہ: یقیناً اللہ ہر شیخی اور فخر کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے۔ تم اپنی رفتار میں میانہ روی رکھو اور اپنی آوازوں کو دھیما رکھو۔ یقیناً آوازوں میں سب سے ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔

تکبر کے علاوہ ایک پہلو حیا کا بھی ہے۔ زبان کی حیا کیا ہے؟ زبان کی حیا یہ ہے کہ اگر کوئی بات زبان پر آ بھی رہی ہو تو زبان کو تھام لیا جائے اور کوئی بھی بری بات اتنی آواز میں نہ کہی جائے کہ سنائی دی جا سکے۔ گویا زبان پر ایسے بند باندھے جائیں جو خیالات کی صرف ان لہروں کو گزرنے کی اجازت دیں جو پاک ہوں اور صاف ہوں۔ زبان کی حیا کا یہ مضمون قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

لا یُحِبّ اللّٰہ الجَھر بِالسوء مِن القَولِ اِلا مَن ظُلِمَ وکانَ اللّٰہ سمیعًا علیمًا. (النساء: ۱۴۹)

ترجمہ: اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی بھی بری بات باآواز کہی جائے۔ سوائے اس کے کہ جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ اور اللہ بہت سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ الا من ظلم کی استثناء محض اس لئے رکھی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اپنے بندوں کے اضطراب اور بے بسی کی حالت کا لحاظ فرماتا ہے۔ ورنہ عام تعلیم یہی ہے کہ کوئی بھی

ناپسندیدہ بات باآواز نہ کہی جائے۔

کہتے ہیں کہ "عذر گناہ بدتر از گناہ"۔ گالی گلوچ کے عادی حضرات بھی بعض اوقات اپنی عادت کے عذر کے طور پر بڑے دلچسپ بہانے پیش کرتے ہیں۔ بعض کا موقف ہے کہ چونکہ گالی زبان پر چڑھ چکی ہے بلکہ محاورے کا حصہ بن چکی ہے اس لئے جب وہ گالی دیتے ہیں، وہ گالی عادتاً ہوتی ہے ارادتاً نہیں۔ اس مکتب فکر کے حضرات کو یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ قرآن مجید میں جہاں محرمات یعنی حرام اشیاء کا ذکر آتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنِ اضطرَّ غَیر بَاغٍ وَّ لا عَادٍ فَلا اثم عَلَیه (بقرہ: ۱۷۴)

ترجمہ: یعنی ہاں! جو شخص ان حرام اشیاء کے استعمال پر کسی بے بسی کے سبب مجبور ہو نہ کہ بغاوت یا عادت کے سبب تو اس کے لئے کوئی گناہ نہیں۔ گویا عذر صرف اسی صورت میں قابل قبول ہوتا ہے جب کہ قصور بغاوت یا عادت کی شکل اختیار نہ کر چکا ہو۔ ورنہ قصور بہرحال قصور ہے۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ صبر کرنا اعلیٰ مردانگی چاہتا ہے اور ضبط کرنا بہادروں کا کام ہے۔ اور پھر گالی سن کر صبر اور ضبط سے کام لینا واقعی مشکل ہے۔ البتہ خدا والوں کی یہ شان ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں رحم کا جذبہ اس قدر بھرکا ہوا ہوتا ہے کہ برائی کے بدلے نیکی کی راہ ازراہ تکلف نہیں ہوتی بلکہ فطرت کے جوش کے ماتحت ہوتی ہے۔ اسی کیفیت کا بیان حضرت بانی جماعت احمدیہ کے اس شعر میں ہے:

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

اپنی جماعت سے اسی رحم کی توقع رکھتے ہوئے ایک اور موقع پر حضرت مسیح موعود...... یوں نصیحت فرماتے ہیں:

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

اگر ہم آج حضرت مسیح موعود...... کی اس نصیحت پر کاربند ہو جائیں تو قرآن ہمیں بشارت دے رہا ہے کہ ہمارے دشمن ہمارے دوست بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِدفع بِالَّتِی ھِیَ اَحسَنُ فَاِذَالَّذِی بَینَکَ وَ بَینَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیم. (حم سجدہ: ۳۵)

ترجمہ: یعنی تو بدی کا جواب نیکی سے دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شخص کہ جس کے اور تیرے درمیان عداوت ہے، وہی تیرا گرم جوش دوست بن جائے گا۔

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شان تھی۔ آپ کا لہجہ دلنواز اور باتیں دلگداز ہوتی تھیں۔ دشمن اپنے دلوں میں نفرت لے کر آتے تھے اور عاشق و فریفتہ ہو کر جاتے تھے۔ اپنے پیشوا کی پیروی میں حضرت مسیح موعود... کا بھی یہی وطیرہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک شدید مخالف جو بدزبان بھی تھا آپ کے پاس آیا۔ جب آپ کے

روبرو ہوا تو بے انداز اور بے دریغ گالیاں دینے لگا۔ آپ خاموشی سے اسے سنتے رہے۔ جب وہ تھک گیا تو آپ نے انتہائی ملائمت سے اسے کہا "بھائی! کچھ اور بھی کہہ لو"۔ یہ الفاظ سننے تھے کہ وہ شخص پگھل گیا اور شرمسار ہوا۔

بسا اوقات انسان ایک گناہ میں صرف اس لئے گرفتار رہتا ہے کہ اسے علم نہیں ہوتا کہ اس کے جرم کی سنگینی کیا ہے۔ ہر احمدی کے جاننے کے لئے کہ بدزبانی کس قدر سنگین جرم ہے، حضرت مسیح موعود..... کا ایک شعر ہی کافی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

بدتر ہر ایک بد سے وہ ہے جو بدزباں ہے
جس دل میں یہ نجاست بیت الخلاء یہی ہے

یہ بات غور کرنے کے قابل اور فکر کے لائق ہے کہ حضرت مسیح موعود..... اپنے اس شعر میں بدزبانی کو ہر ایک بدی سے بدتر قرار دیتے ہوئے اسے "بدست" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اس دل کو کہ جو بدزبانی کا مبداء و منبع ہو بیت الخلاء سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اگر یہ خوف کا مقام نہیں تو کیا ہے؟۔

خدا اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رکھنے والا کوئی شخص اس بات کو کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ جس زبان سے وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہو، اسی زبان سے وہ گالی نکالے اور ناپاک الفاظ کہے۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے دو اشعار یاد آتے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں:

زباں کھلتے ہی اڑتی ہے بوئے طاغوتی
نہیں یہ لب نہ ہلیں ذکر مصطفیٰ کے لئے
اسی زباں سے اسی وقت گند بک بک کر
خدا کا نام نہ لو ظالمو خدا کے لئے

آخری لمحات

آخری لمحات میں ان کا سلام آیا تو کیا
لے کے نامہ بر اگر ان کا پیام آیا تو کیا

زندگی کی دھوپ میں جلتا رہا میرا بدن
میرے حصے ایسا جلنا اب مدام آیا تو کیا

"آخری عشاق میں میرا بھی نام آ ہی گیا"
پہلا عاشق ہوں مگر آخر پہ نام آیا تو کیا

ڈوبتی نیا میں سب ہی یاد کرتے تھے انہیں
ان کے ہونٹوں پہ اگر میرا ہی نام آیا تو کیا

ڈھل چکی اپنی جوانی اور نظر دھندلا گئی
"لے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا"

سی لیا ہونٹوں کو عارف میر مجلس ہو گئے
ہاتھ میں تھامے ہوئے اب جام وہ آیا تو کیا

(عبدالسلام۔صادق پور سندھ)

فری میسنری

FREE MASONARY

مقالہ نگار: مکرم قمر داؤد صاحب کھوکھر

"فری میسن" دو انگریزی الفاظ کا مجموعہ ہے۔ FREE اور MASON بمعنی معمار۔ اور فری میسن کا مطلب ہے وہ معمار جو آزاد ہو۔

فری میسن کی اصطلاح پہلی دفعہ قرون وسطیٰ میں استعمال کی گئی اور اس کے بعد 1442ء یا 46۔ 1445ء میں یہ نام استعمال ہونے لگا اور رفتہ رفتہ فری میسن ایسا معمار سمجھا جانے لگا جو ان معنوں میں آزاد ہو کہ وہ کسی انجمن سے یا ادارہ سے متعلق ہے یا وہ ان معنوں میں آزاد ہو کہ وہ ہر شہر میں اپنا کام جاری رکھ سکتا ہے اور وہ ہر بڑی عمارت کی تعمیر میں اپنی خدمات پیش کر سکے اور آسانی کے ساتھ اپنا سفر کر سکے۔

فری میسنری FREE MASONRY ایک خفیہ تنظیم کا نام ہے جو آج سے ہزاروں برس قبل معماروں کے ذریعہ قائم ہوئی اور آج تک اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس کے حتمی آغاز کے بارے میں تاریخ کچھ نہیں بتاتی اور غالباً خفیہ ہونے کی وجہ سے اس کی تاریخ پس پردہ ہے۔

فری میسنری کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک بین الاقوامی اخوت کی تنظیم ہے جو فرقہ بندی سے پاک ہے جس میں خفیہ رسومات اور ضابطہ اخلاق مجازات کے پردہ میں ہیں اور جس میں اشاروں کنایوں کی بھرمار ہے۔ اخوت کا لفظ استعمال کر کے دراصل اس کے خفیہ اعمال اور خفیہ کارروائیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

فری میسنری کی تاریخ

فری میسنری کی تاریخ اس کے عقیدہ کے مد ن اتنی پرانی ہے جتنی کہ انسان کی اپنی کہانی۔ کہ جب وہ جسمانی اور ذہنی طور پر غیر ترقی یافتہ ہونے کے سبب سے کوئی زبان بول نہ سکتا تھا اور اظہار مقصد کے ئے صرف اشاروں اور مختلف قسم کے نشانات سے کام لیتا تھا۔ اس دور کے بعض اشارات اور نشانات اب بھی فری میسنری کی رسومات میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

فری میسنری اپنی ابتدا لمک (LAMECH) سے

کرتے ہیں جو کہ قابیل سے پانچویں پشت میں تھا اور حضرت نوح کا باپ تھا۔ بعض حضرت ابراہیمؑ و حضرت نوحؑ اور بعض اپنی ابتدا حضرت آدمؑ سے قرار دیتے ہیں۔

جیمز اینڈرسن (JAMES ANDRESON) جس نے فری میسنز کا آئین مرتب کیا تھا وہ اپنی کتاب "THE BOOK OF CONSTITUTION" میں حضرت موسیٰ کو گرانڈ ماسٹر قرار دیتا ہے۔ گرانڈ ماسٹر فری میسنوں کی سب سے بڑی ڈگری یا عہدہ ہے۔ اس خیال کا حامی ایک اور شخص OLIVER۔G بھی تھا۔ مگر معین طور پر ایک تنظیم کی صورت میں فری میسنری حضرت سلیمان کے دور میں اس وقت قائم ہوئی جب ہیکل سلیمانی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ بعض فری میسن تو حضرت سلیمان کو ہی گرانڈ ماسٹر قرار دیتے ہیں۔ حضرت مصلح موعود نے بھی اس نظریہ کو پیش فرمایا ہے کہ فری میسنز کی ابتداء حضرت سلیمان کے دور میں اس وقت ہوئی تھی جب ہیکل سلیمان تعمیر ہو رہا تھا۔

کسی فری میسن سوسائٹی کا تسلسل قائم نہیں رہا۔ کوئی چار سو سال تک رہی کوئی پانچ سو سال تک رہی۔ نئی قائم ہونے والی سوسائٹی اپنے سے پہلی کی بعض باتیں لے لیتی تھی۔ قدیم مصری تہذیب کے فنا ہونے کے بعد فری میسنری پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ پھر اس کا سراغ ہمیں تیرھویں اور چودھویں صدی میں ملتا ہے۔

1275ء اور پھر 1375ء میں معماروں کی ایک انجمن نے فرینکفرٹ کے ایک شہر میں اپنا اجلاس بلایا جس میں فری میسنز کا ضابطہ مرتب کیا گیا۔ جو خفیہ اشاروں اور رسومات پر مشتمل تھا اور کہا جاتا ہے کہ یہ جدید فری میسنری کی ابتداء تھی اور پھر 24 جون 1717ء کو یہ تنظیم پوری آب و تاب کے ساتھ برطانیہ کے شہر لندن میں جلوہ گر ہوئی اور لندن کے چار لاجز (LODGES) کو ملا کر یونائیٹڈ گرانڈ لاج آف انگلینڈ کی بنیاد رکھی گئی۔

مختلف ممالک میں فری میسنری

برطانیہ میں بارھویں صدی میں ایک لاج قائم ہوئی تھی جو 1457ء میں توڑ دی گئی۔ پھر گرانڈ لاج کے قیام کے بعد فری میسنری نے سب سے زیادہ برطانیہ ہی میں اپنے آپ کو مستحکم کیا اور یہیں سے نکل کر یہ دوسرے ممالک تک پہنچی۔ کچھ عرصہ پہلے تک صرف برطانیہ میں فری میسنز کی تعداد دس لاکھ بیان کی جاتی تھی۔

امریکہ میں فری میسنز کی ابتدا 18ویں صدی میں ہوئی لیکن اسے زیادہ منظم اور فعال بنجامن فرینکلن (BENJAMIN FRANKLIN) نے کیا جو انگریزی اقتدار کے خلاف اور امریکی انقلاب کے بانیوں میں سے تھا اور امریکی ریاست پنسلوینیا میں گرانڈ ماسٹر کے عہدہ پر فائز ہوا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے امریکہ میں فری میسنری پر پہلی کتاب "THE CONSTITUTION OF FREE MASONRY" کے نام سے لکھی تھی۔ اس صدی کے آغاز تک امریکی لاجز کی تعداد 50 تھی اور ممبران کی تعداد 40 لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔

روس میں فری میسن کا قیام 32۔1731ء میں روس کے شہر ماسکو میں عمل میں آیا۔ بعد ازاں اس پر پابندی لگی لیکن وقت گزرنے پر ایک بار پھر اسے آزادی

ملی۔ روس میں آنے والا انقلاب فری میسنری کے منصوبوں کے مطابق اور اس کی خفیہ تدابیر کا نتیجہ تھا اور یہودیوں کی اس سازش کا ایک حصہ تھا جو وہ پوری دنیا میں پھیلانا چاہتے تھے۔ کارل مارکس کے بارے میں یہ حقیقت کسی سے چھپی ہوئی نہیں کہ وہ یہودی تھا اور فری میسنری کا کارندہ تھا۔ ٹرائسکی اور لینن بھی یہودی ہی تھے۔

جرمنی میں 1733ء میں سب سے پہلی لاج قائم ہوئی جو FICHTE -HERDE -LESSING اور GOETHE جیسے ارباب علم ودانش کے تعاون سے آگے بڑھی لیکن نازی حکومت نے نہ صرف اس تنظیم پر پابندی لگائی بلکہ یہودیوں کو بھی قتل کروادیا۔

تنظیم پر پابندی

فری میسن کے خلاف مذہب اور لادینیت کے فروغ دینے کی وجہ سے اور چونکہ ان کی کاروائیاں سیاسی عزائم کی تکمیل کے لئے ہوتی ہیں ان باتوں کے پیش نظر فری میسنری پر مندرجہ ذیل ممالک میں پابندی عائد کردی گئی۔

روس، ہنگری، پولینڈ، اسپین، پرتگال، چین، انڈونیشیا، خلیجی ممالک، متحدہ عرب امارات اور پاکستان وغیرہ۔ پاکستان میں کراچی حیدر آباد، کوئٹہ، ملتان، سیالکوٹ، لاہور اور پشاور میں فری میسن کی لاجز قائم تھیں جن کو 1967ء میں پابندی لگا کر بند کردیا گیا۔

ایک خفیہ تحریک

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ فری میسنری ابتداء ہی سے ایک خفیہ تحریک رہی ہے اور اس کا طریق کار بھی خفیہ ہی رہا ہے اور وہ اپنی کاروائیاں کرتی رہی ہے۔ جب ایک شخص فری میسنری کا ممبر بنتا ہے تو اس سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ وہ اپنی تنظیم کے اسرار کو اپنے تک محدود رکھے گا اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دے گا اور ہر کونسل یا لاج یا اسمبلی کی کاروائی کو صیغہ راز میں رکھے گا۔ ہر ممبر سے کہا جاتا ہے کہ تمہیں کچھ نشانات، الفاظ اور اشارے دیئے جا رہے ہیں تم ہر ایک سے ان کو خفیہ رکھو گے۔ 27۔ 1826ء ایک شخص ولیم مارگن نے نیویارک میں ایک کتاب ILUSTRATION OF MASONRY تیار کی جس میں فری میسنری کے پوشیدہ بھید درج تھے۔ قبل اس کے کہ وہ یہ کتاب شائع کرتا اس پر چوری اور دیگر الزامات لگا کر اسے جیل بھجوادیا گیا اور رہائی سے قبل اسے اغوا کرکے غائب کردیا گیا اور عام مطالبے پر فری میسنوں نے اس کے متعلق تحقیقات میں مدد دینے سے انکار کردیا۔

فری میسنری میں شمولیت کی ایک نہایت ہی پر اسرار تقریب ہوتی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ایک خفیہ تنظیم ہے جو خفیہ مقاصد کے لئے ہے۔ قدیم دستاویزات سے ان کی خفیہ کاروائیوں اور خفیہ رسومات کا پتہ چلتا ہے مگر فری میسن یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ یہ ایک خدمت خلق کا ادارہ ہے اور اس کے مقاصد تبادلہ معلومات، مشکلات کا حل کرنا، شکایات کا ازالہ اور فنی امور پر غور کرنا ہے۔ اگر واقعۃً اس کے مقاصد یہ ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں تو پھر انہیں اس قدر خفیہ اور پوشیدہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسی تنظیم تو محض ایک لیبر یونین یا رفاہی ادارہ ہوگی۔ اگر اس کے اغراض فنی امور سے متعلق ہیں تو پھر ایسے لوگ اس کے ممبر کیوں ہوتے رہے ہیں او

ہوتے ہیں جن کا اس فن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

فری میسن یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ایک خفیہ تنظیم نہیں ہے کیونکہ اس کی اجلاس گاہیں اور لاجز نمایاں ہیں اور اس کی کارروائی کو شائع کیا جاتا ہے مگر یہ کیسے سمجھا جائے کہ جو کچھ شائع کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔

ان کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ ایک مورال کوڈ ہے یعنی ضابطہ اخلاق۔ اگر ان کے مقاصد میں یہ ہے کہ اس ضابطہ اخلاق سے کل انسانیت فائدہ اٹھائے تو ان کے اصولوں کو علامات اور نشانات میں بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

نشانات و اشارات کے علاوہ فری میسنری اسرار میں بہت سے الفاظ بھی ہیں جن میں سرفہرست خدا کا اسم پاک بھی ہے جو ممبر کو بہت پرانا اور قابل اعتماد فری میسن ہونے پر دیا جاتا ہے۔ اس طرح فری میسنری میں ایسی بہت سی علامات بھی ہیں جو بین الاقوامی حیثیت کی حامل ہیں اور جس سے ایک ممبر دوسرے ممبر کو باسانی پہچان لیتا ہے۔ ان میں سے پانچ نشانیاں مصافحہ کی ہیں جو ایک فری میسن دوسرے فری میسن سے ہاتھ ملاتے وقت انگلیوں کے دباؤ سے واضح کرتا ہے۔ مثلاً پہلی علامت انگشت شہادت کے پہلے جوڑ کو انگوٹھے سے دبایا جاتا ہے۔ دوسری علامت میں درمیانی انگلی کے پہلے جوڑ کو دبایا جاتا ہے جب کہ دیگر علامتوں میں انگلیوں کے درمیانی حصوں کو دباتے ہیں۔

لاج ورشپ فل ماسٹر مصافحہ کرتے وقت اپنی چاروں انگلیوں سے مصافحہ کرنے والے کی کلائی کو دباتا ہے۔ دیگر علامات میں لباس کے پائنچوں کو اٹھانا، جسم کے مختلف حصوں کو چھونا بھی شامل ہے۔

فری میسنز بعض اشیاء کو بھی بطور علامت و نشان کے استعمال کرتے ہیں۔ یہ اشیاء زیادہ تر فن تعمیر سے متعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً بسولی، کار، قطب نما، مثلث مساوی الاضلاع۔ دو مثلثیں (HEXAGRAM) اور صلیب وغیرہ۔

جب ایک آدمی فری میسن کا ممبر بنتا ہے تو اس کو اپرنٹس (APRENTICE) کہتے ہیں۔ ہر نیا ممبر چند آزمائشوں سے گزرتا ہے جس کے بعد اسے عہدے حاصل ہوتے ہیں جن کو ڈگری کہا جاتا ہے۔ ان ڈگریوں کی تعداد 33 بتائی جاتی ہے۔ گرانڈ ماسٹر (GRAND MASTER) فری میسنری میں سب سے بڑی ڈگری ہے۔ روایات میں گرانڈ ماسٹر کو حیرام ابیف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو بہت بڑا معمار تھا اور جس نے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی تھی۔ یہ شخص قتل ہوا اور اس کا قتل بھی فری میسنری کے اسرار میں ایک سر ہے۔

فری میسنری کا تعلق یہود سے

فری میسنری کا تعلق یہود سے ظاہر و باہر ہے۔ THE NEW STANDARD JEWISH ENCYCLOPEDIA تو یہ لکھتا ہے کہ یہ ایک صیہونی تحریک ہے جس کی فنی زبان اس کے اشارات و علامات اور اس کے قوانین سب کے سب یہودی الاصل ہیں۔ JEAV ZOULET نے 1931ء میں ایک فرانسیسی رسالے "PARIS LA CAPITALALE DES RELIGION" میں واضح طور پر یہ لکھا تھا کہ "گذشتہ صدی کی تاریخ کا لب لباب یہ ہے کہ آج تین صد یہودی سرمایہ دار جو سب کے سب فری میسن لاج کے اعلیٰ عہدیدار ہیں پوری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں۔

ان کے یہود سے تعلق کے سلسلہ میں حسب ذیل شواہد بھی پیش کئے جاتے ہیں:۔

(1) اٹھارویں صدی میں ایک لاج عورتوں نے قائم کی تھی جس کا نام ملکہ سبا کے نام پر رکھا گیا تھا۔

(2) نئے فری میسن کے ممبر کو ایک APRAN پہننے کو دیا جاتا ہے جو یہودیوں کے HIGH PRIEST کے سینے پہ باندھی جانے والی تختی کی طرح کا ہوتا ہے۔

(3) امریکہ میں نیو پورٹ کے مقام پر قائم ہونے والی (1780ء) لاج ایک یہودی MOSES M ۔HAYS کے ذریعہ قائم ہوئی تھی۔

(4) اسکاٹ لینڈ کی فری میسن لاج میں استعمال ہونے والا قمری کیلنڈر یہودی کیلنڈر تھا جو قدیم عبرانی رسم الخط میں تھا۔

(5) JAMES ANDERESON جس نے فری میسنوں کا آئین مرتب کیا اس نے سات بڑے اصول اپنے آئین میں بیان کئے جو حسب ذیل ہیں۔

بت پرستی سے اجتناب، خدا کے اسم اعظم کی تعظیم، قتل غارت نہ کرنا، زنا سے بچنا، چوری نہ کرنا، منصف بننا، خون سمیت گوشت نہ کھانا۔

قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ اصول یہودی احکامات سے لئے گئے ہیں جن کا ذکر عہد نامہ قدیم استثناء باب 5 میں کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ان کے ہاں استعمال ہونے والے نشانات اور علامات کا تعین ان انجینیروں سے ہے جن کا حضرت سلیمان کے تعمیر کردہ ہیکل میں عمل دخل تھا اور یہ بات خود فری میسن بھی تسلیم کرتے ہیں۔

فری میسنری کے مقاصد

فری میسنری کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہودی عزائم یا صیہونیت کے سیاسی اور مذہبی کردار کو سمجھا جائے۔

صیہونیت کا سیاسی اور مذہبی کردار دراصل ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں اور اس کی بنیاد عہد نامہ قدیم ہے جس کی رو سے بالآخر خدا کی بادشاہت قائم ہوگی اور یہ مثالی بادشاہت جس خطہ زمین پر قائم ہوگی وہ اسرائیل ہوگا۔ اور دنیا کو صرف اسی خطہ زمین میں امان میسر آئے گی۔

سیاسی صیہونیت کا آغاز دراصل تھیوڈور ہرزل (1860ء۔ 1904ء) نامی یہودی اسکالر کے ذریعہ ہوا جس نے 1882ء میں وی آنا (آسٹریا) میں ڈاکٹریٹ کے حصول کے وقت اسی نظریہ کو متعارف کرایا اور پھر 1896ء میں اپنی کتاب میں یہودی ریاست کا باقاعدہ نقشہ بھی پیش کردیا۔

یہودی ریاست کے لئے اس نے کسی سرزمین کا نام نہیں لیا لیکن اس نے فلسطین کو اس لئے اہمیت دی کہ اگر یروشلم جیسے مقدس پر یہ ریاست معرض وجود میں آگئی تو دنیا بھر کے یہودیوں کے نزدیک خود بخود اسے ایک زبردست مذہبی حیثیت حاصل ہوجائے گی۔ ہرزل کی اس مکارانہ خواہش کو عملی جامہ برطانیہ نے پہنایا جب اس نے 1917ء میں بالفور ڈیکلریشن کے ذریعہ فلسطین میں الگ یہودی ریاست کو یہودیوں کی بقا کے لئے ضروری قرار دے دیا۔

صیہونیت کے سیاسی اور مذہبی عزائم کی دوسری بنیاد یہود کی کتاب طالمود ہے جو یہود کے نزدیک بڑی عظمت کی حامل ہے جس میں یہود کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ

(1) غیر یہود کی جائیداد اور دولت یہود کے لئے روا ہے۔ اگر وہ اس پر قبضہ جمالیں تو یہ ان کی ملکیت قرار پائے گی۔

(2) یہود کو غیر یہود کی جان و مال پر تصرف کے لئے چنا گیا ہے۔

(3) یہود روئے زمین کے تمام دوسرے انسانوں پر فائق ہیں۔

(4) یہود کو خدا کی طرف سے اذن ہے کہ وہ غیر یہود سے سود قبول کریں اور سود کی شرط کے بغیر ادھار نہ دیں۔

ان ہدایات کی روشنی میں انیسویں صدی کے آخر میں یہودیوں میں یہ نظریہ تقویت پکڑ گیا کہ وہ دنیا کی معزز ترین قوم ہیں۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے برتر قوم اور دیگر اقوام کو "گویم" یعنی جانور تصور کرنے لگے اور یہ تصور ان میں سرایت کر گیا کہ دنیا کے تمام انسانوں پر حکومت کرنے کا حق ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہے۔

یہی وہ مقاصد ہیں یا دوسرے لفظوں میں عالمی صیہونی حکومت کا قیام ہی یہودیوں کی پہلی اور آخری خواہش ہے جو برسوں سے ان کے دلوں میں مچل رہی ہے اور فری میسن تنظیم صدیوں سے اس کے لئے سرگرم عمل ہے۔

1897ء میں فری میسن کے سب سے بلند درجے یعنی 33ویں گریڈ کے رہنماؤں نے کئی برس کے صلاح مشورے کے بعد فرانس میں ایک خفیہ اجلاس جس کا نام "یہودی خفیہ تنظیم کی سازشوں کا آشیانہ" تھا اس اجلاس میں انہوں نے اپنی قوم کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کیا اور پوری دنیا میں انقلاب برپا کرنے کے 24 نکات اور اصول مرتب کئے جن کا نام

"PROTOCOLS OF THE ELDERS OF ZION"

ہے۔ یہ پروٹوکولز عبرانی زبان میں تھے اور خفیہ طور پر یہودیوں میں تقسیم کئے گئے۔

اسی دستاویز کی ایک نقل فری میسن تنظیم کی ایک خاتون رہنما کے گھر سے روسی پادری پروفیسر اے نائلس (NILUS) کے ہاتھ لگی جس نے اسے 1905ء میں شائع کردیا۔ یہودیوں نے نہ صرف اس کتاب کے نسخے تلف کردیئے بلکہ نائلس کو روسی انقلاب کے بعد گرفتار کرکے اذیتیں دے کر ہلاک کردیا گیا اور یہ مشہور کردیا گیا کہ جس شخص کے پاس یہ کتابچہ ہوگا اسے گولی مار دی جائے گی۔

نائلس نے یہ کتاب اس لئے شائع کی کہ وہ یہودیوں کی بے رحم اور سفاک خفیہ سازشوں سے پردہ اٹھانا چاہتے تھے جو عیسائی تہذیب و تمدن کو برباد کرنے کے لئے کی جا رہی تھی حالانکہ یہ سازش دنیا کی تمام اقوام کی تباہی کے لئے کی جارہی تھی۔

اس کتاب کی ایک کاپی برٹش میوزیم میں ہے لیکن عام دستیاب نہیں ہوتی۔ اس وقت سے یہود ان پروٹوکولز کی رہنمائی میں اپنے ناپاک عزائم اور مقاصد کی تکمیل میں مصروف عمل ہیں۔ ان کے عالمی غلبہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ عالم اسلام ہے۔ امریکہ اور روس یہودیوں کے غلام ہونے کے باعث مسلمانوں کے درپے ہیں اور نعوذ باللہ مسلمانوں کو مٹانا اور قرآنی تعلیمات کو دنیا سے مفقود کرنا ہی یہود کا اصل مقصد ہے لیکن ان کا یہ مقصد کبھی پورا نہ ہوگا۔ وہ اپنے منصوبوں میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس دور میں جو کہ غلبہ حق کا زمانہ ہے حضرت مسیح موعود...... کو یہ فرمایا تھا کہ

"فری میسن مسلط نہیں کئے جائیں گے کہ اس کو ہلاک کریں" (تذکرہ صفحہ 416)

اس لئے خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود...... آپ کے مشن اور آپ کی جماعت پر فری میسن کو مسلط نہیں کرے گا کہ اس کو مٹا سکیں۔ نئی زمین اور نیا آسمان وہی ہوگا جو حضرت مسیح موعود...... کی پاک جماعت کے ذریعہ دنیا میں قائم ہوگا۔ نظام نو وہی قائم ہوگا جو خدا کے پاک بندوں کے ذریعہ دنیا میں ظاہر ہوگا۔

"ہے یہ تقدیر خداوند کی تقدیروں میں"

دیار مغرب کے رہنے والوں کے نام
دیار مشرق کے باسیوں کا پیغام

گزشتہ سال 1990ء میں صدر خدام الاحمدیہ امریکہ نے صدر خدام الاحمدیہ پاکستان سے اپنے سالانہ اجتماع کے موقع پر پیغام کا تقاضا کیا تھا۔ صدر مجلس نے اس تبدیلی کے خیال سے جو جملہ ممالک میں تنظیموں کے الگ صدور خدام الاحمدیہ کے تقرر سے عمل میں آئی ہے) پیغام بھجواتے ہوئے حضور انور سے اجازت بھی طلب کی۔ حضور نے اس شرط کے ساتھ اجازت عطا فرمائی کہ "پیغام بیشک بھجوادیں لیکن وہاں صدر کو سمجھادیں کہ آئندہ سے پاکستان کے صدر کو الگ پیغام بھجوانے کے لئے لکھنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ اس تبدیلی کو آپ قبول نہیں کر رہے۔ اگر ایک صدر سے منگوانا ہو تو پھر باقی ملکوں سے بھی منگوانے چاہئیں۔ نیز آپ ایک کو بھجوائیں گے تو باقی بھی منگوائیں گے۔ پھر آپ کس کس کو بھجوائیں گے۔ بہرحال یہ پیغام تو بے شک بھجوادیں لیکن آئندہ کسی کو نہیں بھجوانا"۔

حضور کا یہ ارشاد اور صدر مجلس کا پیغام بغرض ریکارڈ ہدیہ قارئین ہے۔

سرزمین امریکہ میں بسنے والے پیارے خدام بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

برادرم مکرم قمر احمد شمس صاحب صدر خدام الاحمدیہ امریکہ نے خاکسار (صدر خدام الاحمدیہ پاکستان) کے نام اپنے مکتوب میں خدام الاحمدیہ امریکہ کے پاکستان کے ساتھ گہرے قلبی تعلق کے حوالے سے اپنے سالانہ اجتماع منعقدہ 17/ اگست 1990ء میں پیغام کا تقاضہ کیا ہے۔

پاکستان کے احمدی نوجوانوں کی طرف سے خدام الاحمدیہ امریکہ کے نام پیغام کے تصور نے مجھے اس طوطے کی کہانی یاد آئی جس کے مالک نے کسی دور دیس کے سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنے پالتو طوطے کی خواہش معلوم کرنا چاہی کہ وہ اس کے لئے کیا تحفہ لائے، طوطے نے کہا آقا! اس دیس کے جنگل کے آزاد طوطوں کو میرا محبت بھرا اسلام پہنچا دینا۔ سفر سے واپسی پر تاجر کو طوطے کی بات یاد آئی اور اس نے جنگل میں جا کر طوطوں کے ایک غول کو اپنے پالتو طوطے کا سلام کہہ سنایا، اچانک اس نے دیکھا کہ طوطوں کے اس جھنڈ میں سے ایک طوطا پہلے پھڑ پھڑایا اور تڑپ کر زمین پر آرہا۔ تاجر نے تعجب اور حیرت سے یہ منظر دیکھا اور واپس آکر طوطے کو سارا قصہ سنایا۔ یہ کہانی سنتے ہی وہ طوطا بے اختیار ہو کر پنجرے میں تڑپنے لگا۔ تاجر نے گھبرا کر پنجرہ کھولا اور طوطے کو باہر نکالا تو وہ اڑ کر دیوار پر جا بیٹھا۔ تاجر نے کہا یہ کیا؟ طوطا بولا جنگل کے آزاد طوطے نے اپنے ایک قیدی بھائی کی خاطر تڑپ کر اور گر کر یہ سبق دیا تھا کہ آزادی کی خاطر جان بھی قربان کی جاسکتی ہے، جب کہ مجھے تو محض تڑپ کر ہی آزادی مل گئی اور پھر خدا حافظ کہہ کر وہ طوطا دور جنگلوں میں اڑ گیا۔

کہنے کو تو یہ ایک کہانی ہے مگر در اصل یہ پاکستان کے پابندیوں میں جکڑے ہوئے احمدیوں کی آپ بیتی ہے۔ جن کے آزادی ضمیر و مذہب کے تمام حقوق سلب کر لئے گئے ہیں، ان کی زبانوں پر پہرے اور اعمال پر قدغنیں ہیں، وہ کلمہ گو ہو کر بھی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ نہ شعائر اسلامی اپنا کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر سکتے ہیں، اس ملک میں جو چاہے

ان پر گندے اعتراضات کا کیچڑ اچھالے مگر انہیں جواب دینے کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں۔ ان کے لئے نیکی اور حق کی بات دوسروں تک پہنچانا قانوناً جرم ہے، آپ کے کتنے ہی معصوم بھائی آج اپنے دین وایمان اور کلمے کی حفاظت کی خاطر جیلوں میں سزائیں کاٹ رہے ہیں، سینکڑوں ہیں جن کے سینوں پر کلمہ طیبہ سجانے کے مقدمے عدالتوں میں چل رہے ہیں، کسی پر سلام کہنے کا مقدمہ ہے تو کسی پر نماز پڑھنے کا، کسی پر رمضان المبارک میں اعتکاف کرنے کا مقدمہ ہے تو کسی پر عید الاضحیہ میں قربانی دینے کا۔ کہیں تبلیغ کرنے کے مقدمے ہیں تو کہیں افطار پارٹی کرنے پر۔ شادی کارڈ پر بسم اللہ لکھنے اور یا اللہ اور یا محمد کے بورڈ آویزاں کرنے کے بھی مقدمے ہیں۔ ہمارے خلاف ملک بھر میں جو چاہے اور جہاں چاہے جلسے منعقد کرکے اشتعال انگیزی کرے مگر ہمیں اپنے پرامن اجتماعات منعقد کرنے کی آزادی بھی حاصل نہیں۔ کتنی بھیانک ہیں یہ زنجیریں! اس قیدی طوطلے سے کہیں زیادہ قید سخت کے سلاسل!!

کتنے خوش قسمت ہیں آپ جو آزادی سے اپنا سالانہ اجتماع منعقد کر رہے ہیں، خوشی کے اس موقع پر اپنے ان مجبور بھائیوں کو نہ بھولیں جنہیں گزشتہ برس جشن تشکر منانے سے بھی روک دیا گیا اور کسی قسم کے خوشی کے اظہار، مٹھائی تقسیم کرنے اور کھانے پکانے تک پر پابندی لگادی گئی،............ مگر آفرین ہے استقامت کے ان شہزادوں پر جن کی رونقیں اور دلوں کی مسرتیں کوئی نہیں چھین سکا۔

گزشتہ برس ہی حکومت نے پانچ سال کے بعد خدام الاحمدیہ پاکستان کو سالانہ اجتماع منعقد کرنے کی اجازت دے کر دوسرے ہی روز جب ہزاروں خدام اس اجتماع کے لئے ملک کے کونے کونے سے جمع ہو چکے تھے، یہ اجازت واپس لے لی گئی۔ سخت غم وغصہ کی لہر پیدا کرنے والا یہ ایک ایسا فیصلہ تھا کہ اگر تربیت یافتہ اور باہمت احمدی نوجوانوں کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو صورت حال مختلف ہوتی مگر اس موقع پر جب خدام کو پابندی کا حکم سنا کر صبر کی تلقین کی گئی تو اطاعت اور صبر کا جو نمونہ انہوں نے دکھایا وہ احمدیت کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا۔ غم سے ان کے سینے چھلنی تھے اور آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں مگر بے صبری یا شکایت کا کوئی کلمہ ان کی زبان پر نہ تھا۔

ہاں! اختتامی دعا میں اپنے مولا کے حضور صدائے احتجاج انہوں نے ضرور بلند کی۔ تب ان کی برداشت کے سب بندھن ٹوٹ گئے اور سسکیاں آہ و بکا میں بدل گئیں، اور دعاؤں کا ایسا شور محشر انہوں نے برپا کیا جنہوں نے عرش الہی کو یقیناً ہلا دیا ہوگا۔ ایسے ہی دعاؤں اور خدا کے فضل کے سہارے مردانہ وار جرات وبہادری سے پاکستان کے احمدی نوجوان اپنے شب وروز گزار رہے ہیں۔

میرے پیارے خدام بھائیو! میں خوب جانتا ہوں کہ ہم سب خلافت احمدیہ کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہیں کہ ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا بدن مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کے کسی کونے میں احمدی کو تکلیف پہنچے تو امریکہ میں اس کے درد کو تمام احمدی محسوس کرتے ہیں۔ یہ اخوت ومحبت جس میں حضرت مسیح موعود..... نے ہم کو باندھا آج خلافت کی برکت سے ہم میں قائم ہے۔ پس اس خلافت کی عظمت کو سمجھیں اور اس کی قدر کریں اور اپنے اس عہد کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ "خلافت احمدیہ کے قائم رکھنے کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار رہوں گا"۔

بقیہ ص 39 پر

غ۔ز۔ل

اس کے در سے لوٹ کر گر جذب فام آیا تو کیا
کام اپنے عشق کامل عشق تام آیا تو کیا

آج اک سقراط کو پھر زہر پلواتے ہیں لوگ
زہر پی کر جان دے دی اور جام آیا تو کیا

جاں بلب ہے پاس کے منظر بھی اب دھندلا گئے
"لے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا"

میری کشتی ناخدا نے جب ڈبو ڈالی تو پھر
جذب دل جذب دروں پھر اپنے کام آیا تو کیا

چاندنی کے نور کو دیکھوں کہ دیکھوں اس کو میں
بعد مغرب جب کوئی بالائے بام آیا تو کیا

آج تو جیتی ہوں اس برتے پہ وہ بلوائیں گے
مرگئی اور پھر بلاوا میرے نام آیا تو کیا

اپنے پر جب نوچ ڈالے شام جب ڈھلنے لگی
وقت کا زخمی پکھیرو پھر گام آیا تو کیا

سب ستارے چھپ گئے ہر آس عظمت مٹ گئی
صبح کا سورج جو ہمدم وقت شام آیا تو کیا

(ڈاکٹر فہمیدہ منیر صاحبہ)

نام: فہمیدہ منیر
تخلص: عظمت
تاریخ پیدائش: 19 اپریل 1937ء
بی۔ایس۔سی، ایم۔بی۔بی۔ایس (پنجاب)
ایک لمبا عرصہ فضل عمر ہسپتال ربوہ میں خدمت خلق کے بعد اب گھر میں واقعہ کلینک میں مخلوق کی خدمت میں مصروف ہیں۔

خدمتِ خلق سے
لکھنا لکھانا —
خانہ داری
دعائے خاتمہ بالخیر
ڈاکٹر فہمیدہ منیر

فلسفہ اور الہام

کب خیالی فلسفے سے ملتیں زندہ ہوئیں؟
شمع کا پیغام اک شاعر کے نام آیا تو کیا
سنتے ہیں "اتی معک" جو لوگ ان کے سامنے
لے کے کوئی فلسفی اپنا کلام آیا تو کیا
راگ یہ وہ ہے کہ جس کو آسماں گاتا نہیں
شاعرانہ رنگ میں کوئی پیام آیا تو کیا
بزم ملی ہوچکی جب گرم پوری شان سے
انجمن میں کوئی بہر انتظام آیا تو کیا
وصل جاناں سے مشرف ہوگئے سب خوش نصیب
"لے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا"
معترض بے فیض ہے فیضان ختم المرسلیں
اک غلام ان کا اگر بن کر امام آیا تو کیا
بول اٹھا جب جہاں سارا "غلام احمد کی جے"
بعد اس کے گر کوئی کرنے سلام آیا تو کیا
پڑ چکی بنیاد نظم نو کی جب خود عرش سے
لے کے کوئی فرش سے اپنا نظام آیا تو کیا
ہے بغل میں برہمن کی آج بھی خونی چھری
لب پہ اس ظالم کے لفظ رام رام آیا تو کیا
نور اندھوں کو عطاء کر مالک شمس و قمر!
کور چشموں کے لئے ماہ تمام آیا تو کیا
کعبہ دل میں خدا اترے تو تب ہوتا ہے حج
یوں اگر کعبہ میں کوئی صبح و شام آیا تو کیا
گرتا پڑتا ہی پہنچ جائے ترے در پر ظفر
جو نہ پہنچا اس کو انداز خرام آیا تو کیا

نام۔ راجہ نذیر احمد
تخلص۔ ظفر
ولدیت۔ راجہ غلام حیدر صاحب
تاریخ پیدائش۔ 12 مارچ 1933ء
مقام پیدائش۔ ہجکہ (ضلع سرگودھا)
تعلیم۔ مولوی فاضل، ایم۔ اے (سیاسیات) ایل۔ ایل۔ بی، "المصلح" کے نائب ایڈیٹر بھی رہے
پیشہ۔ 1956ء سے ہومیو پیتھک کلینک سے آغاز کیا جو اب "راجہ ہومیو اینڈ کمپنی" کے نام سے معروف ہے۔

راجہ نذیر احمد ظفر

انگریزی ادویات کا مرکز
انگریزی ادویات کا مرکز
میڈیکل سٹور
بالمقابل سِول ہسپتال فیصل آباد
فون: ۲۵۸۸
پروپرائٹر:- چوہدری کرامت اللہ نجبہ

ادارہ خالد نے کچھ بزرگوں کی خدمت میں لکھا کہ نوجوانوں کے لئے اپنی زندگی کی کچھ حسین یادیں اور واقعات ہمیں لکھیں جو ہم سب کے لئے سبق آموز اور قابل فکر و عمل ہوں۔ محترم غلام باری صاحب سیف، چوہدری محمد صدیق صاحب اور صوفی بشارت الرحمان صاحب نے ہمیں لکھا۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں اور باقی بزرگوں سے بھی درخواست ہے کہ نوجوانوں کی علمی زندگی کو حسین بنانے کے لئے آپ بھی ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر آنے والوں کے مستقبل کو روشن کرنے والی تحریریں لکھیں۔

بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی

زندگی کے دریچوں میں جب کبھی جھانک کر دیکھا تو ان گنت ناقابل فراموش امور نظر آئے۔ اساتذہ کی تربیت، ان کی شفقت، قادیان کی روح پرور فضا، والدہ کی دعائیں، والد محترم کی سکینی اور نصیحتیں، قادیان کے جلسہ سالانہ میں اپنے گاؤں سے پیدل شمولیت، قادیان سے واپسی پر والد صاحب کا کتب خریدنا، بہشتی مقبرہ دعا کے لئے صبح کی نماز کے بعد جانا، جلسہ گاہ میں بغیر لاؤڈ سپیکر کے حضرت مصلح موعود کی تقاریر، آپ کی جلسہ گاہ میں آمد، مستری دین محمد صاحب کا باوردی گھوڑے پر حضور کی موٹر کے ساتھ ساتھ آنا، کپتان غلام محمد صاحب آف دوالمیال کا چھاتی پر آویزاں تمغوں سے جلسہ سالانہ کے ایک اجلاس کی صدارت، بچپن میں مناظروں اور جلسوں کی شمولیت، اپنا زمانہ طفولیت، غیر مسلم اساتذہ سے تعلیم سبھی واقعات کی بارہا دفعہ رات کی تنہائیوں اور فکر انگیز لمحات میں جگالی کی ہے۔ جمعرات کے روز صبح کی نماز کے بعد والدہ محترم کی روز کی تلاوت اور مجھے پاس بٹھانا کہ دیکھو درست پڑھتی ہوں؟ میری آنکھ لگ جانا اور کس کے تھپڑ مارنے کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھانا اور میری نیند کا کھل جانا۔ قادیان تعلیم کے لئے آنا، ایک سال موسم گرما کی تعطیلات کے بعد گھر واپس جاتے وقت راستہ میں شدید بارش کا آنا، سنھیال کی نہر پر ہم نوجوان ہمجولیوں کا نہانے کے لئے آنا اور ادھر پٹری پر حضرت مصلح موعود کا موٹر پر تشریف لانا اور خاکسار کا اسی طرح ننگ پیسنے دوڑ کر جانا، نیشنل... کور کے زمانہ میں بزرگوں کا باوردی حضرت مصلح موعود کے استقبال کے لئے تکیہ پیرے شاہ جانا، حضرت مولانا شیر علی صاحب، مولانا سرور شاہ صاحب کو باوردی دیکھنا یہ سب تاریخ ذہنوں میں محفوظ ہے۔... کے معرکہ میں شرکت، سائیکل پر دروال کے جلسہ میں شرکت، بزم ضلع ہوشیار پور مناظرہ سننے کے لئے قادیان سے سائیکلوں پر جانا، ہائیکنگ کے لئے پاکستان کے پہاڑی علاقوں کو اپنے قدموں تلے لینا، وقف کی منظوری کے لئے دعا کرنا اور خدا کا قبول کرنا یہ سب یاد ہیں۔ لیکن آج صرف ایک نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جب کبھی زندگی کو کنگھالا ہے تو کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ کمزوریاں، خطائیں، لغزشیں، نالائقیاں ہی نظر آئی ہیں۔ یہ خدمت سلسلہ کی تھوڑی

بہت توفیق ملی ہے تو اس کی وجہ خدا کے حضور گریہ وزاری ہے اور کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے

سلیقہ نہیں تجھ کو رونے کا ورنہ
بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی

اور یہ لمحات میسر آجانا بھی محض اس کا فضل ہے۔

ایک بار جب خاکسار مدرسہ احمدیہ میں پڑھتا تھا۔ رمضان کے ایام تھے۔ خاکسار اپنے گاؤں کاہنووان گیا ہوا تھا۔ ان دنوں ہماری رہائش نئی آبادی میں تھی جو سٹھیال والی سڑک کی طرف تھی۔ والد محترم نے سحری کے وقت فرمایا بازار سے دہی لے آؤ۔ تعمیل ارشاد میں خاکسار برتن لے کر بازار کو روانہ ہوا۔ جب بازار پہنچا تو معلوم ہوا ابھی سحری میں بہت وقت ہے۔ غلطی سے والد صاحب نے بہت پہلے اٹھا دیا ہے۔ غالباً گھر میں کسی کے پاس بھی گھڑی نہ تھی۔ میں نے سوچا اب واپس جاؤں تو یہ بھی مناسب نہیں اور دل مجھے کشاں کشاں بیت الاحمدیہ میں لے گیا جو دو کانوں کے اوپر واقع تھی۔ وضو کر کے میں نے نوافل شروع کر دیئے۔ نجانے وہ کیا وقت تھا، کیسے لمحات تھے کہ میری روح پگھل کر آستانہ الوہیت پر بہہ رہی تھی۔ میں اتنا رویا، اتنی عاجزی سے رازو نیاز اپنے مولا کے حضور کئے کہ اس رات کا سرور آج بھی قائم ہے۔ دہی لے کر واپس آیا۔ صبح یہ چرچا تھا کہ آج رات لیلۃ القدر تھی۔ ہمارے حلقہ کے صدر میاں سید عبدالعزیز بہت عابد، زاہد بزرگ تھے ان سے اور دوسروں سے معلوم ہوا آج رات لیلۃ القدر تھی۔ یہ خدا کی دین تھی جو اس نے دعا کی توفیق نصیب کی۔ کسی کوشش سے نہیں محض اس کے فضلوں سے۔

دوسرا واقعہ بھی کاہنووان میسر آیا۔ کسی امر میں مجھے سخت ذہنی تکلیف ہوئی اور اس کا علاج بجز اس چارہ گر کے حضور جھکنے کے اور کوئی نہ تھا۔ وضو کر کے خاکسار اسی بیت الاحمدیہ میں چلا گیا۔ یہ دو کانوں کے اوپر بہت ہوادار خدا کا گھر تھا۔ سجدہ میں گیا تو یوں معلوم ہوا کہ ایک بند تھا جو ٹوٹ گیا، آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں ہوا۔ دل بلک بلک کر یوں خدا سے فریاد کناں ہوا کہ جیسے ایک بچہ ماں سے فریاد کرتا ہے کہ خداوندا!

اے ... بارگاہ جب انسان کو کوئی التجا کرنا ہوتی ہے اور گھبراہٹ ہوتی ہے تو تری ہی وہ ذات ہے جس کی درگاہ میں پہنچتا ہے اور ہر توقع کو پورا کرنے والی تری ہی ذات ہے۔ تیرا دروازہ کھٹکھٹانے کے سوا اور کیا چارہ ہے اور اگر تو واپس کردے تو کس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں۔ اے وہ ذات کہ جس کے فضلوں کے خزانے ایک کن کہنے سے کھل جاتے ہیں۔ احسان فرما کہ سب بھلائیاں تیرے ہی پاس ہیں۔

انتہائی بے بسی میں، ایک نالائق مزدور کی مانند، خاک نشیں فقیر کی مانند، چمٹ جانے والے سائل کی مانند، اس کے آستانہ پر گر جانے سے گوہر مقصود مل جاتا ہے۔ بگڑی بن جاتی ہے۔ کچھ حاصل ہوجاتا ہے۔

میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر عرض کرتا ہوں کہ میں جب اپنے دل کو ٹٹولتا ہوں کہ احمدیت سے میں نے کیا لیا تو مجھے ایک جواب میرے نہاں خانہ دماغ سے یہ ملتا ہے کہ دعا، دعا، دعا

حضرت مولانا عبدالکریم سیالکوٹی سے کسی نے پوچھا مولانا! آپ خوش واعظ بیان تھے (حضرت مولوی صاحب کا قرآن کا لحن سن کر رہ چلتے انسان رک جایا کرتے تھے)۔ آپ لوگوں کو تو رلایا کرتے تھے آپ نے مرزا صاحب سے کیا لیا؟ تو آپ

نے جواب میں فرمایا یہ درست ہے میں وعظ میں لوگوں کو رلاتا تھا خود رونا نہ آیا تھا۔ مرزا صاحب کے قدموں میں آکر خود رونا آیا۔

سرتاپا نالائق ہوں ناعاقبت اندیش ہوں خطاکار ہو تو بھی اس کے حضور رونے سے گوہر مقصود مل جاتا ہے۔

یہ نفس نفس امارہ ہے لیکن وہ رحیم و کریم، ارحم الراحمین اپنے بندوں کو اپنی دامن رحمت میں کھینچ ہی لیتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے جہنم سے آخری آدمی نکالا جائے گا تو وہ کوئلہ کی طرح جلا ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس پر حیات کا پانی چھڑکے گا تو اس میں حیات کے آثار ظاہر ہوں گے۔

اے محشر داور۔ اے ارحم الراحمین اس حیات کا ایک قطرہ اس جلے ہوئے کوئلے پر بھی پڑجائے۔

شایاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

(محترم غلام باری صاحب سیف کے قلم سے)

سزا۔ رحمت کا خزانہ

مکرم محمد صدیق صاحب ایم اے

مکرم ایڈیٹر صاحب خالد نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ اپنی زندگی کا کوئی سبق آموز واقعہ لکھ کر بھجواؤں۔ لہذا تعمیل ارشاد تحریر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ خاکسار کو مجلس خدام الاحمدیہ کے اولین اراکین میں شمولیت کا شرف حاصل ہے۔ خدام الاحمدیہ کے قیام کے قریبی دور میں خاکسار دارالواقفین میں اپنی تعلیم مکمل کر رہا تھا۔ انہی ایام میں حلقہ بیت الاقصیٰ قادیان کی مجلس کا کام سست ہونے کے باعث خاکسار کو اس حلقہ کی زعامت سونپی گئی۔ ابھی تک چارج بھی مکمل نہ ہوا تھا کہ مہتمم تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے حلقہ بیت الاقصیٰ کی رپورٹ کارگزاری نہ پہنچنے پر زعیم کے لئے سزا تجویز ہوگئی جو کہ بعد نماز عصر بیت المبارک کے نیچے احمدیہ چوک میں ایک گھنٹہ تک کی کٹ پریڈ تھی۔ خاکسار نے بلاچون وچرا اس فیصلہ کو تسلیم کیا اور مقررہ وقت پر سزا برداشت کی۔

مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کے آغاز میں ہی حضرت المصلح الموعود نے مجلس کے اراکین کی تربیت فرماتے ہوئے خطبہ میں بیان فرمایا تھا کہ "سزا بلا اور عذاب نہیں بلکہ بنی نوع انسان کے لئے رحمت کا خزانہ ہے"۔ (مشعل راہ صفحہ 177)

چونکہ میں نے باوجود بے قصور ہونے کے بطیب خاطر اس فیصلہ کی تعمیل کی تھی اس لئے حضور مصلح الموعود کے ارشاد کے مطابق میرے لئے یہ سزا رحمت کا خزانہ ثابت ہوئی اور اس کے تھوڑا عرصہ بعد ہی مجھے مجلس مرکزیہ میں بطور نائب معتمد مرکزیہ فرائض سونپے گئے اور معتمد صاحب کے مرکز سے باہر ہونے کے باعث بطور قائمقام معتمد سالانہ اجتماع کے جملہ انتظامات کی تکمیل کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس پر بس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان آنے کے بعد بھی کئی سال تک

معتمد خدام الاحمدیہ مرکزیہ، مہتمم اشاعت کے عہدوں پر خدمات بجالانے کا اعزاز بخشا۔ خدام الاحمدیہ کے مرکزی ..... ماہنامہ خالد کی ادارت کا بھی شرف حاصل رہا اور کافی عرصہ تک قائم مقام نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ کے فرائض ادا کرنے کا اعزاز حاصل رہا۔ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ میری زندگی کا یہ واقعہ کہ سزا کے حکم کی بلاچون وچرا تعمیل کی میرے لئے آئندہ زندگی میں رحمتوں اور برکتوں کا موجب ہورہا ہے اور نہ صرف خدام الاحمدیہ میں ہی بلکہ بعد میں انصاراللہ میں بھی لمبے عرصہ تک مختلف شعبہ جات میں خدمات بجالانے کا موقع ملتا رہا ہے۔

اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہی ہے کہ 1952ء سے تادم تحریر خلافت لائبریری میں بطور انچارج خدمات بجالانے کا موقعہ مل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا رہے اور انجام بخیر کرے۔ اللّھم آمین۔

دعا۔ ایک خزانہ

مکرم صوفی بشارت الرحمان صاحب ایم اے

قادیان دارالامان کا زمانہ بھی کیا عجب زمانہ تھا جس کی سنہری اور پیاری یادیں لوح قلب پر النقش فی الحجر کی طرح لکھی ہوئی ہیں۔ جس طرف بھی رخ کرو حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اکابر رفقاء سے ملاقات ہوتی۔ ہم بچے اور نوجوان بلا تکلف ان سے دعاؤں کی درخواست کرتے اور وہ ہمارے لئے مقبول دعائیں کرتے اور ان دعاؤں کے نتائج سے ہمیں مطلع بھی کرتے۔ بی اے آنرز کے امتحان میں اکیس بائیس دن باقی رہ گئے تھے۔ تیاری کماحقہ نہ ہوسکی تھی بلکہ بعض مضامین میں فیل ہوجانے کا بھی خطرہ تھا۔ بی اے کی تیاری کے لئے میں نے گورنمنٹ کالج کے ایک کلاس فیلو اور دوست مرزا عبداللہ جان کو لے کر اپنے گھر چلا گیا تھا۔ ہم دونوں رات کے دس بجے گھر سے باہر گلی میں پڑھ رہے تھے کہ مرزا عبداللہ جان (حال ریٹائرڈ سیشن جج و سینئر ایڈووکیٹ ایبٹ آباد) کے والد محترم حضرت مرزا غلام رسول صاحب پشاوری رفیق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (جو بعد میں میرے خسر محترم بنے) وہاں تشریف لے آئے اور ہمارا حال دریافت کیا۔ میں نے ان کے سامنے ہم دونوں کی جو حالت تھی بیان کردی اور نہایت ہی لجاجت کے ساتھ ان سے دعا کی درخواست کی۔ اس کے بعد وہ مہمان خانے چلے گئے۔ اگلے دن اسی وقت وہ پھر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں نے تم دونوں کے لئے دعا کی ہے اور جواب ملا ہے کہ "ان کی مدد کی جائے گی ایسے فرشتوں کے ساتھ جن کو یہ نہیں دیکھتے" فرمایا جتنی محنت کرسکتے ہو کرو مگر ہمت نہیں ہارنی۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ ہمارے حوصلے بڑھ گئے اور جتنا ممکن ہوسکا امتحان کی تیاری کی۔ آخر امتحان کا دن آہی پہنچا۔ صبح انگلش پوئٹری کا پرچہ تھا۔ تین چار سو صفحات کی پوئٹری کی کتاب کا آخری دن تھا۔ ایک رات میں ساری کتاب کی دہرائی تو ممکن نہ تھی۔ بس چیدہ چیدہ مقامات کی ہم دونوں نے دہرائی کی اور صبح کمرہ امتحان میں (گورنمنٹ کالج لاہور میں) چلے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ رات جن مقامات کو ہم نے دہرایا تھا وہی امتحان میں آئے ہوئے ہیں۔ بس پھول کر ڈھول ہوگئے۔ نہایت تیز رفتاری سے قلم چلایا اور صفحوں کے صفحے سیاہ کردیئے۔ پرچہ نہایت ہی اچھا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی خوشخبری کی صداقت ہم نے مشاہدہ کرلی اور اس طرح ہوتے ہوتے امتحان ختم ہوا۔

امتحان کا نتیجہ نکلا۔ خاکسار بی اے آنرز کے امتحان میں اعلیٰ فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوا۔ اور عربی کے مضمون میں یونیورسٹی سکالرشپ 25/ روپے ماہوار کا مستحق قرار دیا گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایت ارارشاد پر خاکسار نے لاہور جا کر گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے عربی میں داخلہ لے لیا۔ ایم اے ایم ایس سی میں داخل ہونے والے طلبہ میں سے میرٹ کے لحاظ سے خاکسار سب سے بڑھ کر تھا۔ نیو ہوسٹل میں سب سے بالائی منزل میں بہترین کیوبیکل خاکسار کو ملا۔ ڈاکٹر عبدالسلام (نوبل پرائز ونر) تھرڈ ائر میں داخل ہوئے۔ حضور نے ہم دونوں کو I.C.S کے امتحان کی تیاری...... کا ارشاد فرمایا تھا اور خلافت جوبلی فنڈ سے ہمارا وظیفہ منظور فرمایا۔

خاکسار نے 24 گھنٹے کا پروگرام بنا کر مقابلے کے امتحان کی تیاری شروع کر دی۔ بزرگان کرام اور اکابر رفیقان حضرت بانی سلسلہ سے دعائیں بھی کروانی شروع کر دیں بالخصوص حضرت مولوی شیر علی صاحب سے جنہیں اللہ تعالیٰ نے "فرشتہ" کا نام دیا تھا اور حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب سے۔ یہ دونوں بزرگ خاکسار پر ازحد ہی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب ایک دن فرمانے لگے کہ آپ مجھ سے ایک عہد کریں کہ آپ جہاں بھی ہوں جس لائن میں بھی ہوں اپنی زندگی کو دین کی خدمت کے لئے وقف سمجھیں گے۔ خاکسار نے یہ عہد کیا۔

اسی طرح ایک اور رفیق حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ یعنی حضرت مرزا غلام رسول صاحب پشاوری نے خاکسار کو لکھا کہ میں نے آپ کے آئی ایس سی کے مقابلے کے امتحان کے لئے دعا کی تو میں نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ کے اس امتحان کے ایک دو پرچے گم ہو گئے ہیں اور شاید اس امتحان میں آپ کی کامیابی مقدر نہیں۔ اس کے بعد لمبی کہانی ہے کہ کس طرح میں اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت سے میں ہر مرحلہ امتحان میں کامیاب ہوتا چلا گیا۔ مگر پہلے سال کے امتحان کے بعد حکومت کی طرف سے جنگ عالمگیر ثانی کی وجہ سے اس امتحان کو ملتوی کر دیا گیا اور خاکسار صرف ایک بار ہی اس امتحان میں شامل ہو سکا۔ پھر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہدایات کے مطابق اپنے کیریر کے لئے کوششیں کرتا رہا یہاں تک کہ یکم مئی 44ء کو خاکسار کو تعلیم الاسلام کالج قادیان میں عربی کا لیکچرار مقرر کر دیا گیا۔ اس کے بعد خاکسار نے کسی بھی دوسری لائن اختیار کرنے کا خیال ہی دل سے نکال دیا اور کچھ سال بعد اللہ تعالیٰ نے خاکسار کو باقاعدہ طور پر اپنی زندگی خدمت سلسلہ کے لئے وقف کرنے توفیق دی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

جو کچھ اس وقت لکھا گیا ہے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان جب چاہے اپنے مالک و خالق مسیحا پر بھروسہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جایا کرتا ہے جیسا کہ اس نے اپنے پاک کلام میں خود ہمیں یہ وعدہ دیا ہے۔ پھر ایک بڑا سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ دعا ایک انمول اور قیمتی خزانہ ہے جس سے ہر چیز ملتی ہے بشرطیکہ بندہ پورے یقین، عاجزی اور بندگی کے ساتھ اور صبر و استقلال کے ساتھ دعا کرے۔ خاکسار کو یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خاکسار سے پوچھا "بشارت! کیا تم نے عمرو عیار کی عیاریاں کتاب پڑھی ہے"۔ خاکسار نے عرض کیا حضور پڑھی ہے۔ فرمایا اس میں ایک زنبیل کا ذکر آتا ہے جس میں ہر چیز سما جاتی تھی اور زنبیل کا مالک ہر چیز حاصل کر سکتا تھا۔ کیا تمہارے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ کاش کبھی یہ زنبیل میرے پاس ہوتی اور میں دنیا کی ہر نعمت حاصل کر سکتا؟ خاکسار نے عرض کیا حضور اگر مجھے ایسی زنبیل مل جائے تو کیا کہنے۔ فرمایا وہ زنبیل تو تمہارے پاس موجود ہے اور تمہیں پتہ ہی نہیں۔ خاکسار نے عرض کیا

حضور وہ کیسے؟ فرمایا وہ زنجبیل اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس سے دعا ہے جس سے انسان کو ہر نعمت ملتی ہے۔ اگر انسان کو اس کا حقیقی شعور ہو۔

عجب تصرف الٰہی

(صوبیدار عبدالمنان صاحب دہلوی)

11 مئی 1962ء کا واقعہ ہے۔ جمعہ کا دن تھا۔ میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے معاً بعد جب گھر آیا تو دیکھا کہ لائل پور (اب فیصل آباد) سے ایک عزیز مجھ سے ملنے کے لئے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ گرمی کی شدت سے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ بچوں نے انہیں کمرہ میں بٹھایا۔ جس وقت میں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو فوراً خیال آیا کہ برف منگوا کر مہمان کو ٹھنڈا پانی یا شربت پلایا جائے مگر جب برف منگوانے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو صرف ایک آنہ نکلا۔ میں نے اپنے بیٹے رحمن مبشر (حال مقیم جرمنی) کو یہ پیسے دے کر برف لانے کو کہا۔ جب بچہ برف لے آیا تو میری بیٹی امۃ الکریم شکر کا شربت بنا کر لائی اور مہمان کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ شربت دیکھ کر مہمان نے فرمائش کر دی....

"کاش! اس میں ستو بھی ہوتے تو لطف ہی آجاتا"

مہمان کی فرمائش سن کر میں خیالات کی دنیا میں پرواز کرتا ہوا کہیں سے کہیں نکل گیا۔ اول تو میری جیب خالی تھی۔ دوئم اگر پیسے ہوتے بھی تو ربوہ میں ان دنوں ستو کہاں؟ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میری زبان سے یہ فقرہ نکلا کوئی بچہ ہے؟ جونہی بچہ میرے پاس پہنچا تو تصرف الٰہی دیکھیئے! اسی آن دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ میں نے بچے سے کہا کہ پہلے دروازہ پر دیکھو کون آیا ہے؟ جب دروازہ کھولا تو دیکھا سامنے ایک بزرگ کھڑے ہیں جن کا نام دین محمد تھا اور یہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے رفقائے خاص میں سے تھے۔ انہوں نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کپڑے کی ایک پوٹلی بچے کو پکڑاتے ہوئے فرمایا کہ "صوبیدار صاحب کو یہ ستو دے دو گجرات سے آئے ہیں" بس! پھر کیا تھا جب میں ان کا یہ ارشاد سنا تو میرا دل اسی وقت پگھل کر موم کی طرح آستانہ رب العزت پر بہنے لگا۔ ایک طرف اپنی بے مائیگی، دوسری طرف مہمان کی فرمائش

رکھ لی میرے خدا نے مری بے کسی کی لاج

اللہ اللہ یہ ہے تصرف الٰہی۔ میں نے بچے سے کہا یہ شربت لے جاؤ اور اس میں ستو ملا کر لاؤ اور مہمان کی خدمت میں پیش کر دو۔

لہٰذا مہمان نے ٹھنڈے میٹھے ستو خوب مزے سے سیر ہو کر پیئے اور تعریف کے ساتھ ساتھ بار بار خدا کا شکر بھی ادا کرتے رہے اور یوں ان کی دلی خواہش پوری ہو گئی۔

یہ واقعہ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص خود کو دین اور اپنے مرشد کی خدمت کے لئے وقف کر دے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اسے نہ صرف ندامت سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ اس کی ادنیٰ ادنیٰ ضروریات کا خود کفیل ہو جاتا ہے اور فوراً اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ لاریب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ برحق ہے کہ "جو ایمان لاتا ہے اللہ بھی اس کا متکفل ہو جاتا ہے"۔

طنز و مزاح

طنز و مزاح میں احمد شاہ پطرس بخاری اور ابن انشاء کے نام لازم و ملزوم ہیں۔ لطیف مزاح اور اس کے ساتھ ساتھ بے شمار "باتیں" ہلکے ہلکے مزاح میں کرنا ان کا ہی خاصہ ہے۔ انہیں پڑھیں تو بے اختیار مسکراتے جائیں اور سوچیں تو دیر تک سوچتے چلے جائیں۔ ان کی تحریر کے دو نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

سگ راہ بری بلا ہے

علم الحیوانات کے پروفیسروں سے پوچھا۔ سلوتریوں سے دریافت کیا۔ خود سر کھپاتے رہے لیکن کبھی سمجھ نہیں آیا کہ آخر کتوں کا فائدہ کیا ہے؟ گائے کو لیجئے دودھ دیتی ہے۔ بکری کو لیجئے دودھ دیتی ہے اور مینگناں بھی۔ یہ کتے کیا کرتے ہیں؟ کہنے لگے کہ کتا وفادار جانور ہے۔ اب جناب وفاداری اگر اسی کا نام ہے کہ شام کے سات بجے سے جو بھونکنا شروع کیا تو لگاتار بغیر دم لئے صبح کے چھ بجے تک بھونکتے چلے گئے۔ تو ہم لنڈورے ہی بھلے۔ کل ہی بات ہے کہ رات کے کوئی گیارہ بجے ایک کتے کی طبیعت جو ذرا گدگدائی تو انہوں نے باہر سڑک پر آکر طرح کا ایک مصرعہ دے دیا۔ ایک آدھ منٹ کے بعد سامنے کے بنگلے میں سے ایک کتے نے مطلع عرض کر دیا۔ اب جناب ایک کہنہ مشق استاد کو جو غصہ آیا ایک حلوائی کے چولہے میں سے باہر لپکے اور بھنا کے پوری غزل مقطع تک کہہ گئے۔ اس پر شمال مشرق کی طرف سے ایک قدر شناس کتے نے زوروں کی داد دی۔ اب تو حضرت وہ مشاعرہ گرم ہوا کہ کچھ نہ پوچھئے۔ کمبخت بعض تو دو غزلے، سہ غزلے لکھ کر لائے تھے۔ کئی ایک نے فی البدیہہ قصیدے کے قصیدے پڑھ ڈالے۔ وہ ہنگامہ ہوا کہ ٹھنڈا ہونے میں نہ آتا تھا۔ ہم نے کھڑکی میں سے ہزاروں دفعہ آرڈر آرڈر پکارا لیکن ایسے موقعوں پر پردھان کی بھی کوئی نہیں سنتا۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ میاں تمہیں ایسا ہی ضروری مشاعرہ کرنا تھا تو دریا کے کنارے کھلی ہوا میں جا کر طبع آزمائی کرتے یہ گھروں کے درمیان آکر سوتوں کو ستانا کونسی شرافت ہے۔

اور پھر ہم دیسی لوگوں کے کتے بھی کچھ عجیب بد تمیز واقع ہوئے ہیں۔ اکثر تو ان میں سے ایسے قوم پرست ہیں کہ پتلون کوٹ کو دیکھ کر بھونکنے لگ جاتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک حد تک قابل تعریف بھی ہے۔ اس کا ذکر ہی جانے دیجئے اس کے علاوہ ایک اور بات ہے یعنی ہمیں بارہا ڈالیاں لے کر صاحب لوگوں کے بنگلوں پر جانے کا اتفاق ہوا۔ خدا کی قسم ان کتوں میں وہ شائستگی دیکھی ہے کہ عش عش کرتے لوٹ آئے ہیں۔ جونہی ہم بنگلے کے دروازے میں داخل ہوئے کتے نے

برآمدے میں ہی کھڑے کھڑے ایک ہلکی سی "بخ" کردی اور پھر منہ بند کر کے کھڑا ہو گیا۔ ہم آگے بڑھے تو اس نے بھی چار قدم آگے بڑھ کر ایک نازک اور پاکیزہ آواز میں بخ کردی۔ چوکیداری کی چوکیداری، موسیقی کی موسیقی۔ ہمارے کتے ہیں کہ نہ راگ نہ سر، نہ سر نہ پیر۔ تان پہ تان لگائے جاتے ہیں بے تالے کہیں کے۔ نہ موقع دیکھتے ہیں نہ وقت پہچانتے ہیں۔ گلے بازی کئے جاتے ہیں۔ گھمنڈ اس بات پر ہے کہ تان سین اسی ملک میں تو پیدا ہوا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے تعلقات کتوں سے ذرا کشیدہ ہی رہے ہیں لیکن ہم سے قسم لے لیجئے جو ایسے موقع پر ہم نے کبھی ستیہ گرہ سے منہ موڑا ہو۔ شاید آپ اس کو تعلی سمجھیں لیکن خدا شاہد ہے کہ آج تک کبھی کتے پر ہاتھ اٹھ ہی نہ سکا۔ اکثر دوستوں نے صلاح دی کہ رات کے وقت لاٹھی چھڑی ضرور ہاتھ میں رکھنی چاہیئے کہ دافع بلیات ہے لیکن ہم کسی سے خوامخواہ عداوت پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ کتے کے بھونکتے ہی ہماری طبعی شرافت ہم اس درجہ غلبہ پا جاتی ہے کہ آپ اگر ہمیں اس وقت دیکھیں تو یقیناً یہی سمجھیں گے کہ ہم بزدل ہیں۔ شاید آپ اس وقت یہ بھی اندازہ لگالیں کہ ہمارا گلا خشک ہوا جاتا ہے۔ یہ البتہ ٹھیک ہے ایسے موقع پر کبھی میں گانے کی کوشش کروں تو کھرج کی سروں کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔ اگر آپ نے بھی ہم جیسی طبیعت پائی ہو تو آپ دیکھیں گے کہ ایسے موقع پر آیۃ الکرسی آپ کے ذہن سے اتر جائے گی۔ اس کی جگہ شاید آپ دعائے قنوت پڑھنے لگ جائیں۔

بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ رات کے دو بجے چھڑی گھماتے تھیٹر سے واپس آرہے ہیں اور ناٹک کے کسی نہ کسی گیت کی طرز ذہن میں بٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چونکہ گیت کے الفاظ یاد نہیں اور نوشقی کا عالم بھی ہے اس لئے سیٹی پر اکتفا کی ہے کہ بے سرے بھی ہو گئے تو کوئی یہی سمجھے گا انگریزی موسیقی ہے۔ اتنے میں ایک موڑ پر سے جو مڑے تو سامنے ایک بکری بندھی تھی۔ ذرا تصور ملاحظہ ہو۔ آنکھوں نے اسے بھی کتا دیکھا۔ ایک تو کتا اور پھر بکری کی جسامت کا۔ گویا بہت ہی کتا۔ بس ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ چھڑی کی گردش دھیمی ہوتے ہوتے ایک نہایت ہی نامعقول زاویے پر ہوا میں کہیں ٹھہر گئی۔ سیٹی کی موسیقی بھی تھر تھرا کر خاموش ہو گئی۔ لیکن کیا مجال جو ہماری تھوتھنی کی مخروطی شکل میں ذرا بھی فرق آیا ہو۔ گویا ایک بے آواز لے ابھی تک نکل رہی ہے۔ طب کا مسئلہ ہے کہ ایسے موقعوں پر اگر سردی کے موسم میں بھی پسینہ آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں بعد میں سوکھ جاتا ہے۔

چونکہ ہم طبعاً ذرا محتاط ہیں اس لئے آج تک کتے کے کاٹنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا یعنی کسی کتے نے آج تک ہم کو کبھی نہیں کاٹا۔ اگر ایسا سانحہ کبھی پیش آیا ہوتا تو اس گزشت کی بجائے آج ہمارا مرثیہ چھپ رہا ہوتا۔ تاریخی مصرعہ دعائیہ ہوتا کہ "اس کتے کی مٹی سے بھی کتا گھاس پیدا ہو" لیکن

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے سگ رہ بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا!!

جب تک اس دنیا میں کتے موجود ہیں اور بھونکنے پر مصر ہیں سمجھ لیجئے کہ ہم قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں اور پھر ان

کتوں کے بھونکنے کے کے اصول بھی تو کچھ نرالے ہیں یعنی ایک تو متعدی مرض ہے اور بچوں، بوڑھوں سبھی کو لاحق ہے۔ اگر کوئی بیماری بجرم اسفندیار کتا کبھی کبھی اپنے رعب اور دبدبے کو قائم رکھنے کے لئے بھونک لے تو ہم بھی چاروناچار کہہ دیں کہ بھئی بھونک (اگرچہ ایسے وقت میں اس کو زنجیر سے بندھا ہوا ہونا چاہیئے) لیکن کمبخت دو روزہ سہ روزہ دو دو تین تین تولے کے پلے بھی بھونکنے سے باز نہیں آتے۔ باریک آواز، ذرا سا پھیپھڑا اس پر بھی اتنا زور لگا کر بھونکتے ہیں کہ آواز کی لرزش دم تک پہنچتی ہے اور پھر بھونکتے ہیں چلتی موٹر کے سامنے آکر گویا اسے روک ہی تو لیں گے۔ اب اگر یہ خاکسار موٹر چلا رہا ہو تو ہاتھ کام کرنے سے انکار کردیں۔ لیکن ہر کوئی یوں ان کی جاں بخشی تھوڑا ہی کردیگا۔ کتوں کے بھونکنے پر مجھے سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ان کی آواز سوچنے کے تمام قویٰ کو معطل کردیتی ہے۔ خصوصاً جب کسی دکان کے تختے کے نیچے سے ان کا ایک پورا خفیہ جلسہ ہر سڑک پر آکر تبلیغ کا کام شروع کردے تو آپ ہی کہیئے ہوش ٹھکانے رہ سکتے ہیں؟ ہر ایک کی طرف باری باری متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ کچھ ان کا شور کچھ ہماری صدائے احتجاج (زیرلب) ہے.... حرکات و سکنات (حرکات ان کی سکنات ہماری) اس ہنگامے میں دماغ بھلا خاک کام کرسکتا ہے؟ اگرچہ یہ مجھے نہیں معلوم کہ اگر ایسے موقع پر دماغ کام کرے بھی تو کیا تیر مارے گا؟ بہر صورت کتوں کی یہ پرلے درجے کی ناانصافی میرے نزدیک ہمیشہ قابل نفرین رہی ہے۔ ان کا ایک نمائندہ شرافت کے ساتھ ہم سے آکر کہہ دے کہ عالی جناب سڑک بند ہے۔ خدا کی قسم ہم بغیر چوں چراں واپس لوٹ جائیں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہم نے کتوں کی درخواست پر کئی راتیں سڑکیں ناپنے میں گزار دی ہیں۔ لیکن پوری مجلس کا یوں متفقہ و متحدہ طور پر سینہ زوری کرنا ایک کمینہ حرکت ہے (قارئین کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر ان کا کوئی عزیز و محترم کتا کمرے میں موجود ہو تو یہ مضمون بلند آواز سے نہ پڑھا جائے۔ مجھے کسی کی دل شکنی مطلوب نہیں)۔

خدا نے ہر قوم میں نیک افراد بھی پیدا کئے ہیں۔ کتے اس کلیئے سے مستثنیٰ نہیں۔ آپ نے خدا ترس کتا بھی ضرور دیکھا ہوگا۔ عموماً اس کے جسم پر تپسیا کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جب چلتا ہے تو اس مسکینی اور عجز سے گویا بار گناہ کا احساس آنکھ نہیں اٹھانے دیتا۔ دم اکثر پیٹ کے ساتھ لگی ہوتی ہے (سڑک کے بیچوں بیچ غور و فکر کے لئے لیٹ جاتا ہے اور آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ شکل بالکل فلاسفروں کی سی اور شجرہ دیو جانس کلبی سے ملتا ہے۔ کسی گاڑی نے متواتر بگل بجایا۔ گاڑی کے مختلف حصوں کو کھٹکھٹایا۔ لوگوں سے کہلوایا۔ خود دس بارہ دفعہ آوازیں دیں تو آپ نے سر کو وہیں زمین پر رکھے سرخ مخمور آنکھوں کو کھولا۔ صورت حال کو ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔ کسی نے ایک چابک لگا دیا تو آپ نہایت اطمینان کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر ایک گز پرے جالیٹے اور خیالات کے سلسلے کو جہاں سے وہ ٹوٹ گیا تھا وہیں سے پھر شروع کردیا۔ کسی بائیسکل والے نے گھنٹی بجائی تو لیٹے لیٹے ہی سمجھ گئے کہ بائیسکل ہے۔ ایسی چھچھوری چیزوں کے لئے وہ رستہ چھوڑ دینا فقیری کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔

رات کے وقت یہی کتا اپنی خشک پتلی سی دم کو تا بحد امکان سڑک پر پھیلا کر رکھتا ہے۔ اس سے محض خدا کے برگزیدہ بندوں کی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔ جہاں آپ نے غلطی سے اس پر پاؤں رکھ دیا انہوں نے غیض و غضب کے لہجہ میں آپ سے پرسش شروع کردی "بچہ فقیروں کو چھیڑتا ہے۔ نظر نہیں آتا کہ ہم سادھو لوگ یہاں بیٹھے ہیں"۔ بس اس فقیر کی بد دعا سے اسی وقت رعشہ شروع ہوجاتا ہے۔ بعد میں کئی راتوں تک یہی خواب نظر آتے رہتے ہیں کہ بے شمار کتے ٹانگوں

سے لپٹے ہوئے ہیں اور جانے نہیں دیتے۔ آنکھ کھلتی ہے تو پاؤں چارپائی کی ادوان میں پھنسے ہوتے ہیں۔
اگر خدا مجھے کچھ عرصے کے لئے اعلیٰ قسم کے بھونکنے اور کاٹنے کی طاقت عطا فرمائے تو جنون انتقام میرے پاس کافی مقدار میں ہے۔ رفتہ رفتہ سب کتے علاج کے لئے کسولی پہنچ جائیں۔ ایک شعر ہے

عرفی تو میندیش زغوغائے رقیباں
آواز سگاں کم نہ کند رزق گدارا

یہی وہ خلاف فطرت شاعری ہے جو ایشیا کے لئے باعث ننگ ہے۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ "بھونکتے ہوئے کتے کاٹا نہیں کرتے"۔ یہ بجا سہی لیکن کون جانتا ہے کہ ایک بھونکتا ہوا کتا کب بھونکنا بند کردے اور کاٹنا شروع کردے۔
(ماخوذ از "کتے" پطرس بخاری)

تاریخ کے چند دور

پتھر کا زمانہ

راہوں میں پتھر
جلسوں میں پتھر
سینوں میں پتھر
عقلوں پہ پتھر
آستانوں پہ پتھر
دیوانوں پہ پتھر
پتھر ہی پتھر
یہ زمانہ پتھر کا زمانہ کہلاتا ہے

دھات کا زمانہ

دیگیں ہی دیگیں
چمچے ہی چمچے
سکے ہی سکے، پیسے ہی پیسے
سونا ہی سونا
چاندی ہی چاندی
یہ زمانہ دھات کا زمانہ کہلاتا ہے۔

صنعتی دور

ملاوٹ کی صنعت
رشوت کی صنعت
کوٹھی کی صنعت
پگڑی کی صنعت
حلوے کی صنعت
مانڈے کی صنعت
بیانوں اور نعروں کی صنعت
تعویذوں اور گنڈوں کی صنعت
یہ ہمارے ہاں کا صنعتی کا دور ہے۔

کاغذ کا دور

کاغذ کے کپڑے
کاغذ کے مکان
کاغذ کے آدمی
کاغذ کے جنگل
کاغذ کے شیر
ذرا نم ہو تو سب کے سب ڈھیر
کاغذ کے نوٹ
کاغذ کے ووٹ
کاغذ کا ایمان
کاغذ کے مسلمان
کاغذ کے اخبار
اور کاغذ ہی کے کالم نگار
یہ سارا کاغذ کا دور ہے

خلائی دور

اب اس آخری دور کو دیکھیئے
پیٹ روٹی سے خالی
جیب پیسے سے خالی
باتیں بصیرت سے خالی
لوگ توہم کے غبارے پھلاتے ہیں
معجون فلک سیر کھاتے ہیں
رویت ہلال کمیٹیاں بناتے ہیں
آسمان کے تارے توڑ لاتے ہیں
ڈٹ کے دنبے نوش فرماتے ہیں
بیت الخلاء میں مدار پر پہنچ جاتے ہیں
ہمارے ہاں کا خلائی دور یہی ہے

پاکستان کے تمام خدام و اطفال

کی خدمت میں پیغام محبت اور

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

ضلع جہلم کے خدام و اطفال کے لیئے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کی درخواست ہے

اللہ تعالیٰ ہمارے ضلع میں بے شمار نئے پھل عطا کرے۔ آمین

والسلام

چوہدری عباس احمد

قائد ضلع جہلم و اراکین ضلعی عاملہ

غ-ز-ل

نور کی کرنوں کا مجھ کو اب سلام آیا تو کیا
آگیا ہے در سے ان کا پیام آیا تو کیا

دل مرے! ناگفتہ بہ حالت کو تو اپنی سنبھال
وعدہ دید و وصال وقت کلام آیا تو کیا

کیا ہوا الفت کا پھر وہ دعوی صبر و قرار
کیوں لہو بہنے لگا لب پہ وہ نام آیا تو کیا

باہر اندر ایک آتش، تیل ساون کی پھوار
راہ الفت میں اگر اب یہ مقام آیا تو کیا

خاک و خون و راکھ ہوئے اب ذرہ ہائے جسم و جاں
کربلائے وقت میں ، میں ان کے کام آیا تو کیا

جاتی رہی ظاہر نظر پر چشم دل موجود ہے
"لے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا"

(مقصود احمد منیب)

شاہد جیولرز
سونے چاندی کے زیورات کی خرید و فروخت
نیز ملکی و غیر ملکی کرنسی کی خرید و فروخت کیلئے
قیمتی زیورات کے مرکز شاہد جیولرز
مین بازار ڈسکہ، تشریف لائیں۔
پروپرائٹر۔ محمد سلیمان صراف

مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان (۱۹۹۰-۹۱ء) محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے ہمراہ

کرسیوں پر دائیں سے بائیں:- خالد محمود الحسن صاحب بھٹی (محاسب) مبارک احمد صاحب ظفر (مہتمم صنعت و تجارت) ڈاکٹر عبدالخالق صاحب خالد (مہتمم خدمتِ خلق)
عطاء الرحمٰن صاحب محمود (مہتمم مال) سید خالد احمد شاہ صاحب (نائب صدر) محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (مہمانِ خصوصی) حافظ مظفر احمد صاحب (صدر مجلس)
حبیب الرحمٰن صاحب زیروی (مہتمم اشاعت) سید قاسم احمد صاحب (مہتمم مقامی) مرزا عبدالصمد احمد صاحب (مہتمم اطفال) سید قمر سلیمان صاحب (مہتمم عمومی)
پیچھے کھڑے دائیں سے بائیں: سید محمود احمد صاحب (معاون صدر) ظفر اللہ طاہر صاحب (مہتمم وقارِ عمل) محمد طارق اسلام صاحب (مہتمم صحتِ جسمانی)
عبدالسمیع خان صاحب (مہتمم تعلیم) سید طاہر احمد صاحب (مہتمم تحریک جدید) لئیق احمد صاحب عابد (مہتمم امور طلباء) راجہ منیر احمد خان صاحب (معتمد) ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر (معاون صدر)
ڈاکٹر سید حمید اللہ نصرت صاحب پاشا (معاون صدر) مرزا غلام قادر صاحب (مہتمم تجنید)-

اخبار مجالس

اس دفعہ ہمیں بہت سی مجالس کی تفصیل کے ... رپورٹس موصول ہوئیں مگر ہم ان کے خلاصے دینے سے ... قاصر ہیں۔ تاہم ان مجالس کے نام دیئے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہتر سے بہتر کام کرنے کی توفیق ... فرمائے۔

ضلع لاہور: وحدت کالونی، شاہدرہ ٹاؤن، فیکٹری ایریا شاہدرہ، دہلی گیٹ، سلطان پورہ، گلشن پارک

ضلع فیصل آباد: دارالحمد، 646 گ ب ٹھٹھہ کالا، دارالفضل

ضلع کراچی: ملیر، ڈرگ کالونی، لانڈھی کورنگی، النور

ضلع مظفر گڑھ: علی پور

ضلع نوشہرہ: نوشہرہ کینٹ

ضلع خانیوال: کبیر والا

ضلع چکوال: دوالمیال

ضلع جہلم: جہلم شہر

ضلع جھنگ: چنیوٹ، جھنگ صدر، لالیاں، شور کوٹ، چاہ لڈیانہ، ٹھٹھہ شریکا، عنایت پور بھٹیاں، چک نمبر L/3۔5 گڑھ موڑ، کوٹ بہادر، چک نمبر 2۔10/3

ضلع راجن پور: ہڈانڈ روڈ داجل

ضلع سیالکوٹ: سبز پیر یال

ضلع میر پور خاص: محمود آباد اسٹیٹ، محمود آباد

ضلع راولپنڈی: واہ کینٹ

ضلع بہاولنگر: چک نمبر 166 داد

ربوہ ضلع جھنگ: دارالصدر شمالی، دارالنصر غربی

ضلع لیہ: ضلع لیہ

ضلع میر پور آزاد کشمیر: میرا بجر مکا

حافظ آباد، کھاریاں اور علاقہ سرگودھا

ایتھلیٹکس 1991ء

ایتھلیٹکس کے یہ مقابلے ربوہ میں منعقد ہوئے تھے۔ ان کی تفصیل بغرض ریکارڈ شائع کی جارہی ہے۔

ایتھلیٹکس کے مقابلہ جات گھڑ دوڑ گراؤنڈ میں منعقد ہوئے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ دوڑ 100 میٹر کل 13 خدام نے حصہ لیا۔

اول ارشد محمود کراچی۔ دوم خالد عمران ربوہ۔ سوم نعیم اللہ خان ربوہ

2۔ دوڑ 200 میٹر میں کل 11 خدام نے حصہ لیا۔

اول ارشد محمود کراچی۔ دوم خالد عمران ربوہ۔ سوم رفیع احمد سرگودھا

3۔ دوڑ 400 میٹر میں 24 خدام نے حصہ لیا۔

اول رفیع احمد سرگودھا۔ دوم اللہ نواز سندھ۔ سوم نوید احمد انجم ربوہ

4۔ دوڑ 800 میٹر میں 13 خدام شامل ہوئے۔

اول عبدالقدوس ربوہ۔ دوم شمیم احمد تھرپارکر۔ سوم نعیم احمد اعوان کراچی

5۔ دوڑ 1500 میٹر 11 خدام شامل ہوئے۔

اول عبدالقدوس ربوہ۔ دوم رفیع احمد مبو کہ سرگودھا۔

سوم ناصر احمد چیمہ ربوہ

6۔ دوڑ 5000 میٹر 15 خدام شامل ہوئے۔

اول خالد عمران ربوہ۔ دوم مظفر احمد ربوہ۔ سوم ارشد علی لاہور

7۔ لمبی چھلانگ میں 32 خدام شامل ہوئے۔

اول لقمان داؤد سیالکوٹ۔ دوم ارشد محمود کراچی۔ سوم کبیر احمد ربوہ

8۔ اونچی چھلانگ میں 7 خدام شامل ہوئے۔

اول عمران احمد کاہلوں۔ دوم محمد افضل لاہور۔ سوم حافظ پرویز اقبال سیالکوٹ

9۔ ٹرپل جمپ میں 13 خدام شامل ہوئے۔

اول ثناء اللہ چیمہ سرگودھا۔ دوم کریم احمد ربوہ۔ سوم حافظ پرویز اقبال سیالکوٹ

10۔ نشانہ غلیل میں 24 خدام شامل ہوئے۔

اول ثناء اللہ ربوہ۔ دوم قسیم احمد ربوہ۔ سوم طاہر محمود ربوہ

11۔ گولہ پھینکنے کے مقابلہ میں 17 خدام شامل ہوئے۔

اول طاہر احمد ربوہ۔ دوم عثمان داؤد ناصر۔ سوم مجیب احمد ناصر کراچی

12۔ نیزہ پھینکنے کے مقابلہ میں 15 خدام شامل ہوئے۔

اول محمود انور ڈیرہ غازیخان۔ دوم وسیم احمد سرگودھا۔ سوم ثناء اللہ چیمہ سرگودھا

13۔ تھالی پھینکنے کے مقابلہ میں 15 خدام شامل ہوئے۔

اول طاہر محمود ربوہ۔ دوم مرزا عبدالقدوس کراچی۔ سوم وقار احمد سرگودھا

14۔ 4×100 میٹر ریلے ریس کے مقابلہ میں 8 علاقہ جات کی ٹیمیں شامل ہوئیں اور کل 32 خدام نے اس مقابلہ میں حصہ لیا۔ اس مقابلہ میں اول ربوہ کی ٹیم رہی۔

مجلس صدر شمالی کی نمایاں کامیابی

مجلس خدام الاحمدیہ دارالصدر شمالی ربوہ کو خدا کے فضل سے سال 91-90ء کے دوران ربوہ بھر میں بہترین کارکردگی پر اول قرار دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ گذشتہ سال (90-1989ء) میں بھی اسی مجلس نے اول پوزیشن حاصل کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس مجلس کے لئے یہ اعزاز مبارک فرمائے اور آئندہ بھی اسی طرح خدمت دین کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ (آمین)

(مہتمم مقامی ربوہ)

ادارہ سے خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں (مینیجر)
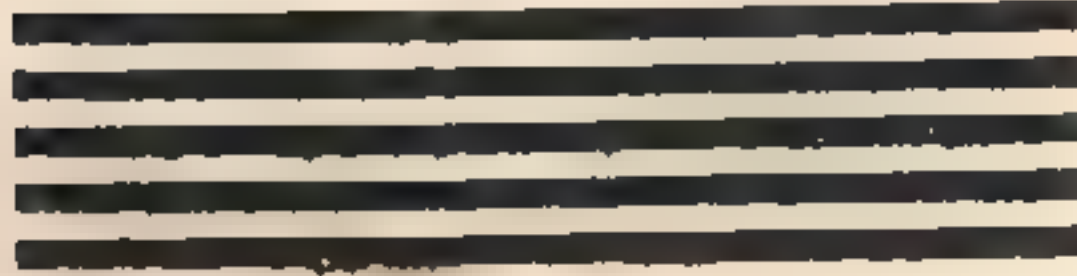
رسالہ خالد کی جلد نمبر 38 کے شمارہ 1 تا 12 (نومبر 90ء تا اکتوبر 91ء) میں شائع ہونے والے اہم مضامین کی فہرست شائع کی جارہی ہے۔
انڈکس مضامین رسالہ خالد نومبر 90ء تا اکتوبر 91ء۔ مرتبہ: س- م- ایاز

نومبر 1990ء

دسمبر 1990ء

جنوری 1991ء

فروری 1991ء

(حضرت مصلح موعود نمبر)

مارچ 1991ء

اپریل 1991ء

مئی 1991ء

(سیدنا نورالدین نمبر)

جون 1991ء

نبیب اصغر صاحب۔ صفحہ 11

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی چند یادیں۔ مکرم صوبیدار عبدالمنان صاحب۔ صفحہ 19

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے فرمایا۔ مکرم محمد محمود طاہر صاحب۔ صفحہ 22

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا (قسط 7)۔ پروفیسر راجا نصراللہ خان صاحب۔ صفحہ 24

ربوہ سے طورخم تک۔ مکرم طارق محمود ناصر صاحب۔ صفحہ 30

رپورٹ سالانہ تربیتی کلاس۔ صفحہ 34

رپورٹ دوسری سالانہ سپورٹس ریلی۔ صفحہ 35

جولائی 1991ء

طلباء کے لئے خصوصی مقالہ (شعبہ جات برائے پیشہ وارانہ تعلیم)۔ مرتبہ فرخ کامران۔ صفحہ 2

صحافت۔ ایک منہ زور قوت۔ مکرم محمد محمود طاہر صاحب۔ صفحہ 15

جنگلی گلابوں کی سرزمین۔ سیاچن گلیشیر۔ مکرم نثار احمد صاحب۔ صفحہ 18

گورباچوف۔ مکرم ناصر احمد صاحب طاہر۔ صفحہ 21

[illegible] وسیلہ [illegible]۔ مکرم عطاء القدوس صاحب۔ صفحہ 24

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا (قسط 8)۔ پروفیسر راجا نصراللہ خان صاحب۔ صفحہ 30

اگست 1991ء

خلق عظیم کی چمکار۔ غزوات میں رسول کریمؐ کے اخلاق کا ظہور

مکرم عبدالسمیع خان صاحب۔ صفحہ 2

ASIAN TIMES LONDON کی ایک خصوصی رپورٹ صفحہ 6

سیدالشہداء حضرت امام حسینؓ کی سیرت۔ سید مبشر احمد ایاز

روزنامہ "آفاق" کی حقیقت پسندی۔ صفحہ 27

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا (قسط 9)۔ پروفیسر راجا نصراللہ خان صاحب۔ صفحہ 32

اکتوبر 91ء (ستمبر اکتوبر 91ء)

ستمبر 1991ء

اس شمارے میں نامور محقق اور بین الاقوامی مذہبی سکالر جناب شیخ عبدالقادر صاحب (لاہور) کے ان تمام مقالہ جات کا انڈکس شائع کیا گیا ہے۔ جو مختلف اخبارات و رسائل میں (ستمبر 1991ء تک) شائع ہو چکے ہیں۔

مرتبہ: سید مبشر احمد ایاز۔ مدیر خالد

اکتوبر 1991ء

خلق عظیم کی چمکار۔

SOLO LIGHT
Mercury Light
125wt, 250 wt
Tube Light
Single Rod
Garden Light
Tube Light
Double Rod
SOLO LIGHT
Mehar Chowk Mehar Muhammad Din Road
Raj Garh, Lahore Phone

QURESHI & SONS
REAL ESTATE ADVISORS
جائیداد کی خرید و فروخت
کا
با اعتماد ادارہ
قریشی اینڈ سنز
14 - RAWALPINDI BLOCK
FORTRESS STADIUM
LAHORE CANTT.
TEL : 371856 - 380296

یونین گلاس سٹور
نزد فاطمہ ہسپتال کالج روڈ سرگودھا
ہمارے ہاں ہر قسم کا عمارتی شیشہ بارعایت
دستیاب ہے
تمام احباب جماعت کی خدمت میں دعاؤں کی درخواست ہے
منجانب محمد اشرف ڈھڈی آف چک ۴۶ شمالی ناظم تحریک جدید علاقہ سرگودھا
ناصر احمد ڈھڈی

نگینہ سٹین لیس سٹیل
فون:۔ ۲۸۷۰
چوک جتوتھان چنیوٹ ○ پروپرائٹر:۔ چوہدری سراج دین اینڈ سنز
ہمارے ہاں سٹین لیس سٹیل۔ پیتل۔ تانبے کے برتن اعلیٰ کوالٹی میں بازار سے بارعایت خریدیں
نیز واشنگ مشین اعلیٰ کوالٹی میں بازار سے بارعایت خریدیں۔
چوہدری مبارک احمد۔ چوہدری صادق احمد

خریداران سے درخواست ہے کہ
اپنے پتہ کی تبدیلی کی اطلاع
فوری طور پر دیا کریں۔ تاکہ آپ
کا پرچہ ضائع نہ ہو۔ (مینیجر)

ماہنامہ خالد اور ماہنامہ تشحیذالاذہان ربوہ کے چندہ میں اضافہ

گذشتہ ایک لمبے عرصہ سے ماہنامہ خالد اور ماہنامہ تشحیذالاذہان کے کاغذ، کتابت، طباعت، بائنڈنگ وغیرہ کے اخراجات میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ لیکن اپنی سالانہ اور ماہوار قیمت میں کمی کے باعث دونوں رسائل ایک عرصہ سے زیر بار چلے آرہے ہیں۔ ہماری ہر ممکن کوشش تھی کہ دونوں رسائل کی قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے لیکن مجبوراً اضافہ کرنا پڑ رہا ہے۔

لہذا یکم نومبر 1991ء سے ماہنامہ خالد کی سالانہ قیمت 40 روپے اور ماہوار 4 روپے اور ماہنامہ تشحیذالاذہان کی سالانہ قیمت بھی چالیس روپے اور ماہوار 4 روپے مقرر کی گئی ہے۔ خریداران کی خدمت میں درخواست ہے کہ حسب سابق تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(مینجر ماہنامہ خالد، تشحیذالاذہان ربوہ)

MONTHLY KHALID RABWAH
Regd. No: L 5830 Digitized By Khilafat Library Rabwah OCTOBER 1991
EDITOR:- MUBASHIR AHMAD AYAZ